ملک صفدر حیات (سیریز نمبر 10)

سزائے محبت

ملک صفدر حیات

اولاد کی خوشیاں اور بھلائی والدین کے لیے ہر شے پر مقدم ہوتی ہے۔ مگر ایسے بھی لوگ ہیں جن کے نزدیک اہمیت صرف اپنی رائے اور ذاتی پسند ناپسند کی ہوتی ہے۔ وہ اولاد پر بھی اپنی مرضی کے ظالمانہ اور غیر منصفانہ فیصلے مسلط کرنے سے نہیں چوکتے۔ ایک ایسے ہی فیصلے اور اس کے نتیجے میں ہونے والے فساد کا قصہ۔

آمرانہ مزاج کے حامل والدین اسے ضرور پڑھیں

وہ موسم سرما کی ایک ٹھنڈی ٹھار صبح تھی۔ کوشش کے باوجود بھی میں ذرا تاخیر سے تھانے پہنچا تھا۔ اس وقت تک عملے کے بیشتر افراد اپنے فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں مصروف ہو چکے تھے۔ میں اپنی سیٹ پر آکر بیٹھا ہی تھا کہ ایک کانسٹیبل نے کمرے میں آکر مجھے سلیوٹ کیا پھر بتایا۔

"ملک صاحب! چوہدری فرزند علی بڑی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

میں نے پوچھا "کون چوہدری فرزند علی؟"

"موضع کنگنی والا کے چوہدری صاحب' جناب!" کانسٹیبل نے وضاحت آمیز لہجے میں کہا "ان کے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔"

"ٹھیک ہے' انہیں اندر بھیج دو۔"

کانسٹیبل سلیوٹ کر کے کمرے سے نکل گیا۔ اس ضلع میں میرے قیام کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اور مذکورہ تھانے میں میری تعیناتی چند روز قبل ہوئی تھی۔ سابق تھانہ انچارج نے متعلقہ علاقے اور وہاں بسنے والے چیدہ چیدہ اہم افراد سے مجھے غائبانہ متعارف کروادیا تھا۔ انہی اہم افراد میں ایک نام چوہدری فرزند علی کا بھی تھا تاہم ابھی تک میری اس سے بالمشافہ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ کانسٹیبل کی اطلاع کے مطابق وہی چوہدری فرزند علی کافی دیر سے میرا منتظر تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد چوہدری فرزند علی میرے کمرے میں داخل ہوا۔ پہلی نظر میں' میں نے اس کی عمر کا اندازہ پچاس اور پچپن کے درمیان لگایا جو بعد ازاں درست ثابت ہوا۔ اس کی عمر کم و بیش ترپن سال تھی۔ اس کے باوصف بھی وہ ایک توانا اور صحت مند شخص دکھائی دیتا تھا۔ روایتی زمینداروں کی طرح اس نے بوسکی کی قمیص' کورے لٹھے کی شلوار اور قیمتی واسکٹ زیب تن کر رکھی تھی۔ سر پر اونچے شملے والی پگڑی اور پاؤں میں تلے دار کھسّا تھا۔ اس نے نوک دار' اوپر کو اٹھی ہوئی پُرغرور صحت مند مونچھیں پال رکھی تھیں جو اس کی شخصیت کو خاصا بارعب بنا رہی تھیں۔ اس میں کچھ کمال خضاب کے استعمال کا بھی تھا۔

چوہدری فرزند علی کی ساتھی عورت کی عمر کے بارے میں میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ وہ تیس بتیس سے زیادہ کی دکھائی نہیں دیتی تھی لیکن درحقیقت وہ عمرِ عزیز کی چالیسویں سیڑھی پر قدم رکھ چکی تھی۔ اس عورت کا نام عالیہ بیگم تھا۔ اس عمر میں بھی اس نے خود کو خاصا سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ اس نے نارنجی رنگ کا چست لباس پہن رکھا تھا جو اس کے مائل بہ فربہی جسم پر خوب جچ رہا تھا۔ اس کے گھنے سیاہ بال سلیقے سے گندھے ہوئے تھے اور آنکھوں میں کاجل کا رنگ نمایاں تھا۔ وہ گوری رنگت والی ایک پرکشش اور خوب صورت عورت تھی۔

میں نے اپنی میز کے سامنے رکھی ہوئی کرسیوں پر انہیں بٹھایا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد چوہدری فرزند علی نے کہا "رانا صاحب تو مجھے اچھی طرح جانتے تھے لیکن آپ سے پہلی مرتبہ ملاقات ہو رہی ہے۔"

رانا صاحب سے چوہدری فرزند علی کی مراد سابق تھانہ انچارج تھی۔

میں نے کہا "رانا صاحب نے مجھے آپ کے بارے میں مختصر طور پر بتایا تو تھا۔ چلیں آج ملاقات بھی ہو گئی۔ فرمائیں' میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

چوہدری نے کہا "ملک صاحب! میں نے تو سوچا تھا کہ انتہائی خوش گوار ماحول میں ٹھیک ٹھاک طریقے سے آپ سے تعارف ہو گا۔ میں اپنی حویلی پر آپ کی دعوت کرنا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے ہی ایک فوری پریشانی مجھے آپ کے پاس لے آئی ہے۔"

"کیسی پریشانی چوہدری صاحب!" میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

چوہدری اپنی ساتھی عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "یہ عالیہ بیگم ہے۔ میرے مرحوم جگری دوست اللہ دتا کی بیوہ۔ اس کی جوان بیٹی کا معاملہ ہے۔"

چوہدری کی ادھوری بات کو میں سمجھ نہیں پایا تھا چنانچہ میں

نے پوچھا "آپ کس قسم کے معاملے کا ذکر کر رہے ہیں چوہدری صاحب؟"

وہ تامل کرتے ہوئے بولا "عالیہ کی اکلوتی بیٹی، صفیہ کل صبح سے غائب ہے۔"

میں نے کہا "آپ کا مطلب ہے، صفیہ کہیں چلی گئی ہے؟"

چوہدری کے جواب دینے سے پہلے ہی عالیہ بیگم بول اٹھی "تھانے دار صاحب، میری بیٹی کہیں نہیں گئی۔ اسے اغوا کیا گیا ہے۔"

میں نے پوچھا "آپ کی بیٹی کو کس نے اغوا کیا ہے؟"

"وہی سؤر جو ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔"
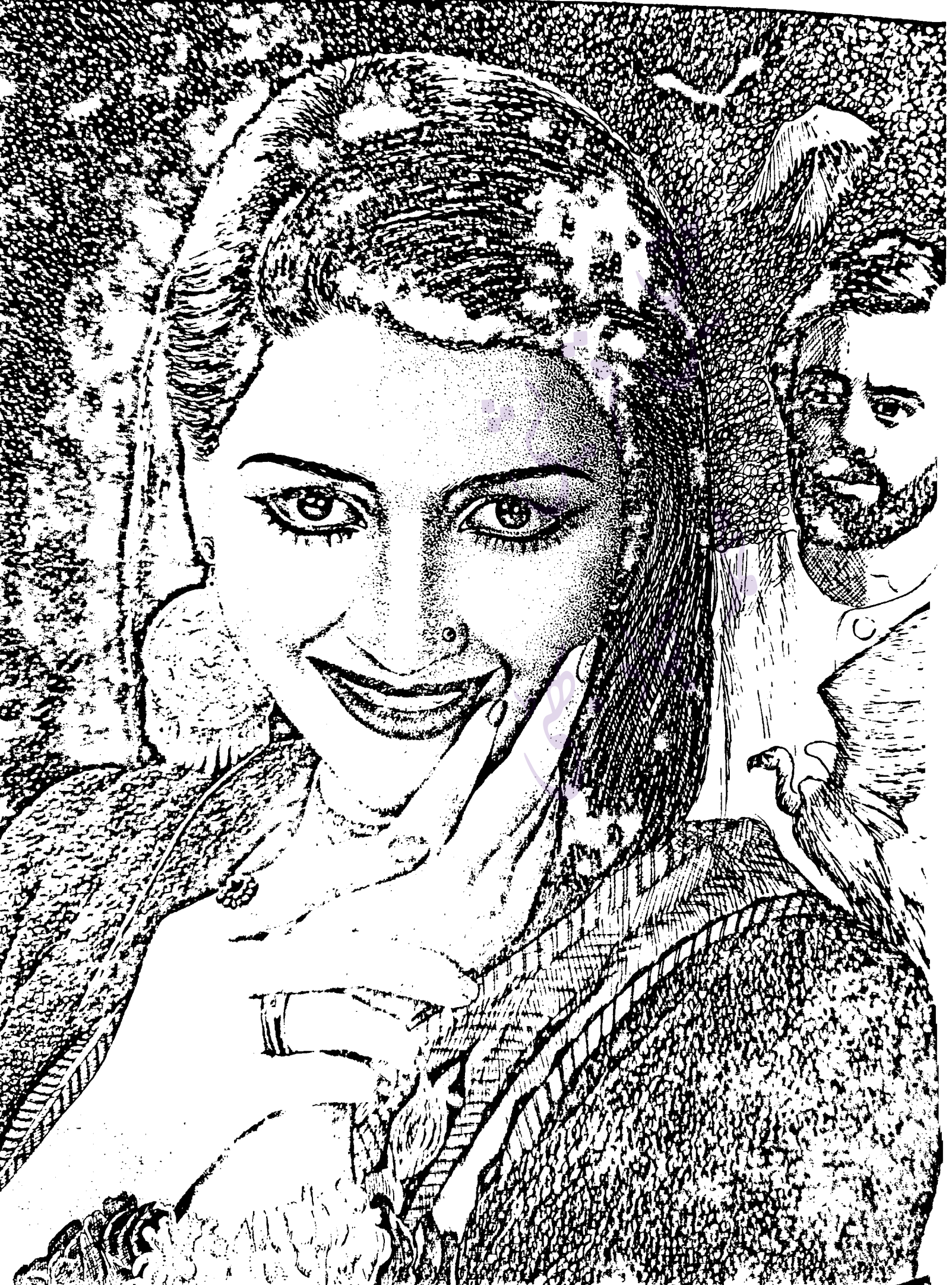
"اس سؤر کا کوئی نام بھی ہوگا؟" میں نے استفسار کیا۔

چوہدری نے کہا "ملک صاحب! بات دراصل یہ ہے کہ ہم امیر علی کے خلاف صفیہ کے اغوا کی رپورٹ درج کرانے آئے ہیں۔"

"یہ امیر علی کون ہے؟"

عالیہ بیگم نے کہا "تھانے دار صاحب' یہ وہی حرام زادہ' سؤر ہے جس نے میری صفیہ کو اغوا کیا ہے۔"

میں نے پوچھا "کیا امیر علی آپ کے گاؤں کا رہنے والا ہے؟"

عالیہ بیگم نے نفی میں جواب دیا اور بتایا "وہ ہمارے گوانڈی (پڑوسی) بابا بشیرا کے ساتھ کام کرتا تھا اور کبھی کبھار اس کے گھر بھی آتا تھا۔"

"آپ کی بیٹی کا امیر علی سے ملنا جلنا کیسے ہوا؟"

"صفیہ اس سے کبھی نہیں ملی تھی" عالیہ بیگم نے جلدی سے کہا "وہی مردود اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔"

"کیا چاہتا تھا وہ؟" میں نے سوال کیا "اس نے آپ کو بتایا تو ہوگا؟"

"میں نے اس کی حرکتوں سے تنگ آکر ایک روز اس سے پوچھا تھا" عالیہ بیگم نے بتایا "اس نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا تھا کہ وہ صفیہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"پھر آپ نے کیا جواب دیا؟"

"میں نے سخت الفاظ میں اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ یہ خیال اپنے دل سے نکال دے" عالیہ بیگم نے کہا "یہ شادی کسی بھی صورت ممکن نہیں ہے۔"

میں نے پوچھا "کیا آپ کی بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی؟"

"یہ تو مجھے پتا نہیں جناب!" عالیہ بیگم نے عجیب سے لہجے میں جواب دیا "لیکن اس کے بعد سے امیر علی نے کبھی صفیہ کے رشتے کی بات نہیں کی تھی۔"

"اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ آپ کی بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔"

چوہدری فرزند علی نے کہا "ملک صاحب! اگر وہ خبیث' عالیہ کی بات سمجھ گیا ہوتا تو پھر اتنا بڑا قدم کیوں اٹھاتا؟"

میں نے کہا "چوہدری صاحب! کیا آپ کو یقین ہے کہ امیر علی ہی نے صفیہ کو اغوا کیا ہوگا؟"

"مجھے پکا یقین ہے جناب!"

"اس یقین کی کوئی وجہ؟"

"بس میرا دل کہتا ہے" وہ سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

میں نے کہا "قانون دل کی باتوں پر بھروسا نہیں کرتا۔ وہ ٹھوس ثبوت مانگتا ہے۔ آپ کے پاس ایسا کوئی ٹھوس ثبوت ہے؟"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں تھانے دار صاحب!" عالیہ بیگم نے کہا۔ "ایک تو میری بیٹی اغوا ہوئی ہے' اوپر سے آپ ہم سے ثبوت بھی مانگ رہے ہیں۔ آپ کو تو چاہیے کہ فوری طور پر رپورٹ درج کریں اور جلد از جلد صفیہ کو ڈھونڈ نکالیں۔"

میں نے کہا "عالیہ بیگم! ہم کوئی جادوگر نہیں ہیں کہ جادو کی چھڑی گھما کر پلک جھپکتے میں آپ کی بیٹی کو ڈھونڈ نکالیں۔ ہم اپنے طریقۂ کار سے کام کرتے ہیں" ایک لمحے کے توقف سے میں نے پوچھا "کیا امیر علی نے کبھی آپ کو کوئی دھمکی وغیرہ بھی دی تھی؟"

"کس قسم کی دھمکی ملک صاحب!" چوہدری نے پوچھا۔

میں نے کہا "صفیہ کو اغوا کرنے کی دھمکی؟"

چوہدری نے سوالیہ نظر سے عالیہ بیگم کو دیکھا' وہ بولی "نہیں جی' ایسی کوئی دھمکی تو نہیں دی تھی لیکن مجھے اس کی نیت ٹھیک نہیں لگتی تھی۔"

"یعنی آپ کو شک تھا کہ وہ کوئی بھی اوچھی حرکت کر گزرے گا؟"

"اوچھے لوگوں سے اور کیا توقع ہو سکتی ہے۔"

میں نے کہا "یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔"

عالیہ بیگم نے چوہدری کی طرف دیکھا' چوہدری نے کہا "جناب' عالیہ کو تو ہو سکتا ہے شک ہو لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ حرکت اسی نامراد امیر علی کی ہے۔ مجھے شروع ہی سے وہ لڑکا اچھا نہیں لگتا تھا۔"

میں نے کہا "چوہدری صاحب! آپ اپنے اس یقین کی وجہ تھوڑی دیر پہلے بتا چکے ہیں۔ یعنی آپ کا دل کہتا ہے' صفیہ کو امیر علی ہی نے اغوا کیا ہے۔"

"جی ہاں' مجھے پورا یقین ہے۔"

چوہدری فرزند علی سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ پہلی ہی ملاقات میں ہمارے درمیان تلخی کی فضا قائم ہو جائے اس لیے میں نے اختلافی موضوع کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"چوہدری صاحب! آپ نے بتایا ہے کہ صفیہ کل صبح سے غائب ہے۔ اس واقعے کو کم از کم چوبیس گھنٹے گزر چکے ہیں۔ آپ نے اغوا کی رپورٹ درج کرانے میں اتنی تاخیر کیوں کی؟"

عالیہ بیگم نے کہا "کل چھٹی جو تھی!"

اس کی بات پر مجھے بے اختیار ہنسی آگئی تاہم میں نے اپنی دلی کیفیات کو ان پر ظاہر نہیں ہونے دیا اور کہا "عالیہ بیگم! پولیس والوں کی کوئی چھٹی نہیں ہوتی۔ ہم تو عید' بقرعید پر بھی تھانے میں موجود ہوتے ہیں۔ کل اگر اتوار تھا تو کیا ہوا' آپ تھانے میں آکر صفیہ کے اغوا کی رپورٹ درج کرا سکتی تھیں۔"

چوہدری نے کہا "ملک صاحب! دراصل عالیہ بہت سادہ عورت ہے اس لیے چھٹی وغیرہ کا ذکر کر رہی ہے جبکہ کل ہی رپورٹ درج نہ کرانے کی وجہ کچھ اور تھی۔"

"اور وہ وجہ کیا تھی؟" میں نے پوچھا۔

"ہم اپنے طور پر صفیہ کو تلاش کر رہے تھے" چوہدری نے جواب دیا۔ "جوان لڑکی کے اغوا کی رپورٹ درج کرانے سے پہلے بہت کچھ سوچنا پڑتا ہے جناب۔ اللہ دتا مرحوم سے میری بڑی گہری

دوستی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بیوہ کو تھانے کا منہ دیکھنا پڑے۔"

"وہ تو خیر اب دیکھنا پڑ ہی گیا ہے" میں نے سرسری انداز میں کہا "آپ کی آمد سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ صفیہ کو تلاش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔"

"اگر کامیاب ہوجاتے تو آپ کے پاس کیوں آتے۔" عالیہ بیگم نے بیزاری سے کہا "اب آپ ہی کچھ کریں تھانے دار صاحب!"

میں نے پوچھا "آپ نے صفیہ کو کہاں کہاں تلاش کیا ہے؟"

عالیہ بیگم نے بتایا "کھیالی میں صفیہ کا ایک ماموں رہتا ہے۔ سب سے پہلے تو ہم وہاں گئے تھے۔ صفیہ جب وہاں نہیں ملی تو ہم نے دوسری جگہوں پر دیکھا۔ ہمارے نزدیکی رشتے دار پہلی والا' ہندو چک' کوٹلی گنڈیاں والی' قلعہ دیدار سنگھ' راہوالی اور گکھڑمنڈی میں رہتے ہیں۔ ہم نے باری باری ہر جگہ صفیہ کو تلاش کیا لیکن ناکام ونامراد ہی رہے۔"

"اس کے بعد آپ نے طے کیا ہوگا کہ امیر علی نے صفیہ کو اغوا کرلیا ہے؟" میں چبھتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا "کیونکہ اگر آپ کو شروع ہی سے یقین ہوتا کہ صفیہ کو غائب کرنے میں امیر علی کا ہاتھ ہوسکتا ہے تو آپ کل کا پورا دن اِدھر اُدھر بھٹکتے ہوئے ضائع نہ کرتے اور فی الفور رپورٹ درج کرانے آجاتے' کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

چوہدری فرزند علی نے جواب دیا "میں آپ کو جھٹلاؤں گا تو نہیں لیکن سچی بات یہ ہے کہ مجھے جیسے ہی عالیہ نے اطلاع دی کہ صفیہ گھر سے غائب ہوگئی ہے تو میرا ذہن اسی وقت امیر علی کی طرف چلا گیا تھا لیکن عالیہ کی تسلی کے لیے میں نے قریبی رشتے داروں کو ٹٹولنا ضروری سمجھا۔"

چوہدری کی بات میں وزن تھا۔ میں نے پوچھا "آپ کے مرحوم دوست کی بیوہ نے تھوڑی دیر پہلے مجھے بتایا تھا کہ امیر علی آپ کے گاؤں کا رہنے والا نہیں تھا۔ کیا وہ کسی دوسرے گاؤں سے یہاں آیا تھا؟"

"وہ موضع سمبڑیال' ضلع سیالکوٹ کا رہنے والا تھا جناب۔" چوہدری نے جواب دیا "روزگار کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔ جی ٹی روڈ پر واقع "فرید پاٹری لمیٹڈ" میں محنت مزدوری کرتا تھا۔ وہیں پر کام کرنے والے' عالیہ کے پڑوسی بابا بشیر احمد سے اس کے تعلقات ہوگئے اور وہ چھٹی کا دن بشیر احمد کے گھر گزارنے لگا۔"

"اور یہیں سے وہ نامراد میری بیٹی کے پیچھے پڑگیا" عالیہ بیگم نے چوہدری کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بولنا شروع کردیا "میں نے رشتے سے انکار کیا تو اس نے صفیہ کو اغوا کرلیا۔"

میں نے کہا "عالیہ بیگم! آپ نے بتایا ہے کہ آپ کی بیٹی امیر علی میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی اور نہ ہی امیر علی سے اس کا ملنا جلنا تھا اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگر بالفرض صفیہ کے غائب ہونے میں امیر علی کا ہاتھ ہے تو اس نے صفیہ کو زبردستی اس کی مرضی کے خلاف اغوا کیا ہوگا۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ملک صاحب؟" چوہدری نے پوچھا۔

میں نے کہا "چوہدری صاحب! آپ ایک سمجھ دار اور زمانہ شناس انسان ہیں۔ یہ بات تو آپ بھی مانیں گے کہ صفیہ کو زبردستی اغوا نہیں کیا گیا۔ اگر ایسا کیا جاتا تو یہ بات چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ صفیہ کوئی مرغی کا چوزہ نہیں تھی کہ امیر علی اسے بغل میں دبا کر چلتا بنا۔ آپ واقعے کی تفصیل بیان کرنے کے دوران میں پہلے مجھے بتا چکے ہیں کہ صفیہ ہفتے کی رات کو حسب معمول گھر میں موجود تھی۔ گھر کے تمام دروازے عالیہ بیگم نے خود اپنے ہاتھ سے بند کیے تھے اور سونے سے پہلے اس نے دروازوں کو ایک مرتبہ پھر چیک کیا تھا لیکن اتوار کی صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو صفیہ گھر میں موجود نہیں تھی۔ اس نے پہلے صفیہ کو پورے گھر میں تلاش کیا پھر بیرونی دروازے کو دیکھا تو وہ کھلا ہوا ملا۔ تھوڑی دیر تک وہ صفیہ کا انتظار کرتی رہی لیکن جب اس کی آمد کے آثار نظر نہ آئے تو عالیہ بیگم نے آپ کو اطلاع دی کہ صفیہ غائب ہوگئی ہے" ایک لمحے کے توقف کے بعد میں نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا "چوہدری صاحب! آپ جیسے دانا وبینا شخص کو یہ بات تو سمجھ ہی لینا چاہیے کہ گھر کے بیرونی دروازے کا کھلا ملنا کس جانب اشارہ کرتا ہے۔ یقینی طور پر اندر ہی سے کسی نے وہ دروازہ کھولا ہوگا!"

عالیہ بیگم نے کہا "تھانے دار صاحب! کیا آپ یہ کہنا چاہتے

ہیں کہ صفیہ اپنی مرضی سے امیر علی کے ساتھ گئی ہوگی؟"

"میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی" میں نے اسے تیز نظر سے گھورتے ہوئے کہا "لیکن آپ کے بیان کردہ حالات اسی جانب اشارہ کررہے ہیں۔"

چوہدری نے کہا "ملک صاحب! ممکن ہے امیر علی کسی طرح گھر کے اندر داخل ہوگیا ہو اور بیرونی دروازہ اسی نے کھولا ہو۔ ایک بات کو ضرور ذہن میں رکھیں کہ امیر علی' عالیہ بیگم کے پڑوس میں رہتا تھا اور دونوں گھروں کی درمیانی دیوار بہ مشکل پانچ فٹ اونچی ہوگی جسے امیر علی بہ سہولت پھلانگ سکتا تھا۔"

میں نے کہا "اس طرف میرا دھیان بھی گیا تھا لیکن ایک بات مجھے الجھن میں ڈال رہی ہے۔"

"وہ کیا ملک صاحب؟"

"وہ یہ کہ" میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور کہا "اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ صفیہ کو امیر علی ہی نے اغوا کیا ہے اور اس میں صفیہ کی مرضی کو کوئی دخل نہیں ہے تو پھر صفیہ کا خاموشی سے اغوا ہوجانا سمجھ میں نہیں آتا۔ اس نے اتنے بڑے واقعے کے خلاف کوئی مزاحمت' کوئی احتجاج کیوں نہیں کیا؟"

"یہ تو واقعی سوچنے کی بات ہے" چوہدری نے پُرخیال انداز میں کہا "لیکن ایک بات کا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں ملک صاحب! صفیہ کا امیر علی سے کوئی تعلق واسطہ نہیں تھا۔ وہ تو اس سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی تھی کجا یہ کہ اپنی مرضی سے اس کے ساتھ خاموشی سے چلی جاتی۔ اب حقیقت جو بھی ہے وہ تو آپ کی تفتیش کے بعد ہی سامنے آئے گی۔"

"تفتیش شروع کرنے سے پہلے مجھے اپنے طور پر بھرپور تیاری کرنا ہوگی" میں نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا پھر عالیہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا صفیہ' آپ ہی کے کمرے میں سوتی تھی؟"

"نہیں' وہ دوسرے کمرے میں الگ سوتی تھی" عالیہ بیگم نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا "آپ کے گھر میں کل کتنے افراد رہتے ہیں۔ میرا مطلب ہے' صفیہ اور آپ کے علاوہ اور کون کون...؟"

وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولی "بس ہم دونوں ماں بیٹی ہی رہتی تھیں...." اس کی آواز بھرّا گئی۔

میں نے پوچھا "وقوعہ کے روز یعنی کل پندرہ دسمبر بروز اتوار صبح کتنے بجے آپ کی آنکھ کھلی تھی؟"

اس نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد جواب دیا "میرا خیال ہے' اس وقت آٹھ بجے تھے۔"

"کیا آپ روزانہ آٹھ بجے ہی بیدار ہوتی ہیں؟"

"میں عام طور پر تو صبح چھ بجے تک اٹھ جاتی ہوں" عالیہ بیگم نے جواب دیا "جانے کل آٹھ بجے تک کس طرح سوتی رہی۔ آنکھ ہی نہیں کھلی۔ مجھے خود اس بات پر حیرت ہوئی تھی۔"

"بیدار ہونے کے بعد آپ نے کوئی خاص بات محسوس کی؟"

اس نے جواب دیا "مجھے اپنا سر کچھ بھاری محسوس ہوا تھا۔"

درحقیقت مجھے شروع ہی سے یہ بات ہضم نہیں ہورہی تھی کہ صفیہ کو امیر علی نے زبردستی اغوا کیا ہوگا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو وہ حالات تھے جو عالیہ بیگم اور چوہدری فرزند علی نے مجھے بتائے تھے۔ میرے پیشہ ورانہ تجربے کے مطابق صفیہ کی روپوشی میں اگر امیر علی کا کوئی ہاتھ تھا تو پھر یہ بات یقینی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے اس کے ساتھ گئی تھی۔ حالات بھی آہستہ آہستہ میری تھیوری کی تصدیق کررہے تھے۔ عالیہ بیگم وقوعہ کے روز خلافِ معمول چھ کے بجائے آٹھ بجے تک سوتی رہی تھی اور بیدار ہونے کے بعد اسے اپنا سر بھاری بھی محسوس ہوا تھا۔ میرے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ ممکن ہے' عالیہ بیگم کو دیر تک سلانے کا بندوبست خود صفیہ نے کیا ہو!

شک ہماری تفتیش کی اساس ہے۔ شک کے پیٹرول کے بغیر تفتیش کی گاڑی ایک قدم آگے نہیں بڑھتی لہٰذا ہم کسی بھی معاملے کے چھوٹے سے چھوٹے پہلو کو بھی نظرانداز نہیں کرتے اور اکثر اوقات انتہائی معمولی اور غیراہم نظر آنے والی بات آگے چل کر کیس کا پاسا پلٹ دیتی ہے۔

میں نے عالیہ بیگم سے پوچھا "آپ نے چوہدری صاحب کو صفیہ کے بارے میں کب بتایا تھا' میرا مطلب ہے کتنے بجے؟"

"میں نے اٹھنے کے بعد قریب قریب ایک گھنٹا صفیہ کی واپسی کا انتظار کیا تھا" عالیہ بیگم نے بتایا "اس کے بعد ہی میں چوہدری صاحب کی حویلی میں گئی تھی۔"

چوہدری نے کہا "عالیہ میرے پاس لگ بھگ نو بجے پہنچی تھی۔"

میں نے عالیہ سے پوچھا "چوہدری صاحب کی حویلی میں جانے سے پہلے آپ نے اپنے اڑوس پڑوس میں صفیہ کے بارے میں معلوم نہیں کیا؟"

"میں نے بابا بشیر احمد کے گھر سے امیر علی کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"وہاں سے کیا جواب ملا تھا؟"

عالیہ بیگم نے بتایا "بشیر احمد کی بیوی مختار بی بی نے بتایا تھا کہ امیر علی کچھ بتائے بغیر صبح ہی صبح وہاں سے روانہ ہوگیا تھا۔"

"آپ نے صفیہ کے بجائے امیر علی کے بارے میں کیوں پوچھا؟"

"میں صفیہ کی گم شدگی کو ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

"اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو پہلے ہی شک تھا کہ امیر علی ضرور کوئی نہ کوئی گل کھلائے گا" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "اپنی بیٹی کو گھر میں غیرموجود پاکر آپ نے سب سے پہلے امیر علی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ کیا میرا اندازہ درست ہے؟"

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی "میں آپ کو پہلے بھی بتاچکی

ہوں کہ امیر علی کے ارادے مجھے ٹھیک نظر نہیں آتے تھے خاص طور پر جب میں نے صفیہ کے رشتے والی بات پر اس سے سخت رویہ اختیار کیا تھا تو وہ کافی دیر تک مجھے معاندانہ نظروں سے گھورتا رہا تھا۔"

میں تھوڑی دیر تک چوہدری فرزند علی اور عالیہ بیگم سے صفیہ اور امیر علی کے بارے میں مختلف سوالات کرتا رہا پھر ان دونوں کے حلیے وغیرہ کے بارے میں پوچھا۔ عالیہ بیگم نے دونوں کا حلیہ بالتفصیل بتادیا۔

صفیہ کی عمر لگ بھگ اٹھارہ سال تھی۔ اس نے آرٹس سے میٹرک کیا تھا۔ وہ میانے قد کی ایک دل کش اور خوب صورت لڑکی تھی۔ اگرچہ اس کا رنگ گندمی تھا تاہم اس کے نقش و نگار خاصے تیکھے اور پرکشش تھے۔ پورے کنگنی والا میں وہ صفو کے نام سے پہچانی جاتی تھی۔ اگر وہ کسی عام گھرانے کی لڑکی ہوتی تو ممکن ہے' اپنی گلی سے باہر اسے کوئی جانتا بھی نہیں مگر چونکہ چوہدری فرزند علی کا ان کے گھر آنا جانا تھا اس لیے وہ گم نام شخصیت نہیں رہی تھی۔

امیر علی کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک عام سی شکل وصورت کا مالک نوجوان تھا۔ اس کی عمر چوبیس اور پچیس سال کے درمیان تھی۔ اس نے داڑھی رکھی ہوئی تھی اور اپنے لباس سے وہ ایک سیدھا سادہ شخص دکھائی دیتا تھا۔ وہ دن بھر فرید پارٹی میں کام کرتا اور رات کو وہیں چوکی دار کے کمرے میں سوتا تھا البتہ بابا بشیر احمد سے جب اس کی دوستی پکی ہوگئی تو چھٹی کا دن وہ بابا بشیر احمد کے گھر میں گزارنے لگا تھا۔ وہ ہفتے کی شام کو بشیر احمد کے ساتھ ہی آجاتا اور پیر کی صبح وہ دونوں ایک ساتھ اپنی ڈیوٹی پر چلے جاتے۔

اس زمانے میں تصویریں کھنچوانے کا رواج عام نہیں ہوا تھا لہٰذا مجھے ان دونوں کے حلیوں کی مدد ہی سے اپنی تفتیش کا آغاز کرنا تھا۔

میں نے صفیہ کے اغوا کی رپورٹ درج کرلی اور چوہدری فرزند علی سے کہا "چوہدری صاحب! سب سے پہلے تو میں وقوعہ کا معائنہ کروں گا۔ اس کے بعد ہی صفیہ کی تلاش کا کام شروع ہوگا۔"

"ضرور ضرور" وہ تیزی سے سہلاتے ہوئے بولا "آپ ابھی میرے ساتھ تشریف لے چلیں۔ تھانے کے باہر میرا پرائیویٹ تانگا کھڑا ہے۔"

میں نے کہا "آپ کی اس پیشکش کا شکریہ چوہدری صاحب۔ دراصل یہاں تھانے میں ایک دو نہایت ہی ضروری کام مجھے نمٹانا ہیں۔ میں کچھ دیر کے بعد آجاؤں گا' آپ چلیں۔"

چوہدری نے کہا "جیسی آپ کی مرضی۔ میرا تو خیال تھا' آپ ہمارے ساتھ چلتے۔"

"میں سردست آپ کی یہ خواہش پوری نہیں کرسکوں گا چوہدری صاحب۔" میں نے کہا "آپ میری پیشہ ورانہ مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کریں۔"

"ٹھیک ہے" وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا پھر عالیہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "چلو عالیہ' ہم چلتے ہیں۔ ملک صاحب بعد میں آجائیں گے" پھر اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "ملک صاحب' میں یہاں سے سیدھا اپنی حویلی پر جاؤں گا۔ عالیہ بھی میرے ساتھ ہی ہے۔ آپ سیدھے حویلی پر ہی آجائیں پھر میں آپ کو اپنے ساتھ موقع پر لے کر جاؤں گا۔"

میں نے پوچھا "عالیہ بیگم اپنے گھر نہیں جائے گی؟"

"فی الحال تو یہ میرے ساتھ حویلی جائے گی" چوہدری نے جواب دیا "گھر میں تو صبح سے تالا ڈال دیا ہے۔ آپ آئیں گے تو آپ کو تالا کھول کر گھر دکھادیں گے۔"

چوہدری میرے کمرے سے نکلنے لگا تو میں نے کہا "ایک منٹ چوہدری صاحب!" وہ رک گیا اور مڑ کر سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا' میں نے پوچھا۔ "چوہدری صاحب! کیا صفیہ کی گم شدگی یا بقول آپ کے 'صفیہ کے اغوا کی خبر کنگنی والا میں عام ہوچکی ہے؟"

"نہیں ملک صاحب!" چوہدری نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا "ابھی تک ہم نے اس واقعے کو خفیہ رکھا ہوا ہے۔"

عالیہ بیگم نے کہا "میں نے آنڈ گوانڈ (اڑوس پڑوس) میں کہہ دیا ہے کہ صفیہ کچھ دنوں کے لیے قلعہ دیدار سنگھ گئی ہوئی ہے۔ میں تو ویسے بھی چوہدری صاحب کی حویلی میں آتی جاتی رہتی ہوں اس لیے صفیہ کے بارے میں کسی نے تشویش ظاہر نہیں کی اور نہ ہی ہمارے بند گھر کے بارے میں کوئی سوال کیا گیا ہے۔"

میں نے کہا "عالیہ بیگم! آپ گزشتہ روز چوہدری صاحب کے ساتھ اپنے جن رشتے داروں کے یہاں صفیہ کو ڈھونڈتی رہی ہیں وہ تو اس واقعے سے باخبر ہوگئے ہوں گے؟"

"بالکل نہیں جناب!" عالیہ بیگم کے بجائے چوہدری فرزند علی نے جواب دیا "ہم نے ان پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ ہمیں صفیہ کی تلاش ہے بلکہ عالیہ بیگم نے سب کو یہی بتایا تھا کہ میں زمینوں کی خریداری کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہا ہوں۔"

پرانی چیزیں

ایک شخص "کیا آپ پرانی چیزیں خریدتے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

وہی شخص "میرے پاس نپولین کے زمانے کا ایک نایاب ٹائپ رائٹر ہے۔"

"مگر نپولین کے زمانے میں تو ٹائپ رائٹر ایجاد نہیں ہوا تھا۔"

وہی شخص "اسی لیے تو نایاب ہے۔"

میں نے ستائشی نظر سے عالیہ بیگم کو دیکھا اور کہا "بہت خوب! آپ ایک ذہین عورت ہیں۔ آپ نے بڑی خوبصورتی سے، موقع محل کی مناسبت سے صورت حالات کو نبھایا ہے۔"

وہ اپنی تعریف سن کر خوش ہوگئی لیکن خوشی کا یہ تاثر بیٹی کی گمشدگی کے غم میں دب کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں رخصت ہوگئے۔

○☆○

میں نے چوہدری فرزند علی کو دانستہ ٹال دیا تھا۔ مجھے تھانے میں ایسا کوئی ضروری کام بھی نہیں تھا۔ میں چاہتا تو ان کے ساتھ ہی تانگے میں کنگنی والا چلا جاتا لیکن میں نے ایک مصلحت کے تحت انہیں روانہ کردیا تھا۔ میں کنگنی والا جاکر پہلے اپنے طور پر کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا جو چوہدری کی موجودگی میں ممکن نہیں تھا۔ جب چوہدری نے مجھے بتایا تھا کہ عالیہ بیگم بھی اس کے ساتھ ہی حویلی جارہی ہے تو مجھے اپنے مقصد میں کامیابی کے امکانات زیادہ روشن دکھائی دینے لگے تھے۔

دس منٹ کے بعد میں نے اے ایس آئی رانا افضل کو اپنے کمرے میں طلب کیا اور کہا "رانا، ہمیں فوری طور پر کنگنی والا جانا ہے۔"

رانا نے کہا "میں کسی سپاہی کو بھیج کر تانگا منگواتا ہوں جناب!"

"نہیں، تانگے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ حیران نظر سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا "ملک صاحب، ہمارے تھانے کے نزدیک ہی تانگوں کا اڈا ہے۔ میں دو منٹ میں تانگا..."

میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "میں جانتا ہوں کہ ہماری تھانے کی بغل میں نہ صرف یہ کہ تانگوں کا اڈا ہے بلکہ بسوں کا اڈا بھی موجود ہے لیکن ہم کسی تانگے وانگے پر کنگنی والا نہیں جائیں گے۔"

"تو کیا پیدل جانے کا ارادہ ہے ملک صاحب!"

"بالکل، ہم پیدل ہی جائیں گے" میں نے رانا افضل کی حیرانی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا پھر اضافہ کیا "نہ صرف پیدل جائیں گے بلکہ یہ وردی بھی یہیں چھوڑ کر سادہ لباس میں وہاں پہنچیں گے" میں نے اپنی اور پھر اس کی وردی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ بولا "لگتا ہے، کوئی نہایت ہی سنگین معاملہ ہے۔"

"ہوسکتا ہے، یہ معاملہ واقعی سنگین ثابت ہو" میں نے کہا۔

رانا افضل نے پوچھا "کسی بندے کو گرفتار کرنے جانا ہے جناب!"

میں نے مختصر طور پر اسے صفیہ کے مبینہ اغوا کے بارے میں بتایا۔ پوری بات سننے کے بعد رانا افضل نے کہا "تو چوہدری فرزند علی اسی سلسلے میں یہاں آیا تھا۔"

میں نے اثبات میں جواب دیا اور اسے فوری طور پر لباس تبدیل کرنے کی ہدایت دی۔ وہ میرے کمرے سے نکلا تو میں بھی جلدی سے اپنے سرکاری کوارٹر کی جانب بڑھ گیا تاکہ وردی اتار کر سادہ لباس پہن سکوں۔ میرا سرکاری کوارٹر تھانے سے ملحقہ تھا۔ میں نے سادہ لباس میں کنگنی والا جانے کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ ویسے بھی میں اس علاقے میں نیا تھا۔ کوئی شکل وصورت سے مجھے نئے تھانے دار کی حیثیت سے نہیں جانتا تھا۔ سادہ لباس میں مجھے پوچھ تاچھ کی زیادہ آسانی ہوجاتی۔ ایک بات کا تو مجھے یقین تھا کہ چوہدری فرزند علی اور عالیہ بیگم نے حقائق کو توڑ مروڑ کر بیان کیا تھا اور مجھے اسی الجھی ہوئی ڈور کو سلجھانا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں اے ایس آئی رانا افضل کے ساتھ سادہ لباس میں تھانے سے باہر نکلا تو غیرارادی طور پر رانا افضل کے قدم جی ٹی روڈ کی طرف اٹھنے لگے۔ میں نے ہاتھ پکڑ کر اسے روکا تو وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے تھانے کی عقبی سمت میں اشارہ کرتے ہوئے کہا "ہم اِدھر سے جائیں گے۔"

"جی ٹی روڈ سے سیدھا راستہ ہے ملک صاحب!"

"لیکن میں ٹیڑھے راستے سے جانا چاہتا ہوں" میں نے کہا "ہم کھیتوں کے اندر ہی اندر سفر کرتے ہوئے کنگنی والا میں داخل ہوں گے۔ کیا تمہیں اس طرف سے جانے پر کوئی اعتراض ہے؟"

"مجھے کوئی اعتراض تو نہیں جناب!" وہ الجھے ہوئے لہجے میں بولا "لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ صاف ستھرا راستہ چھوڑ کر کھیتوں کے اندر سے گرتے پڑتے کیوں کنگنی والا پہنچنا چاہتے ہیں۔ ہم تانگے میں بیٹھ کر بہ آسانی پندرہ بیس منٹ میں کنگنی والا پہنچ سکتے ہیں۔"

"تم اپنے ذہن کو زیادہ مت الجھاؤ رانا" میں نے کھیتوں میں داخل ہوتے ہوئے کہا "میری تفتیش کا انداز دوسروں سے مختلف ہے۔ آہستہ آہستہ تم سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔"

اے ایس آئی رانا افضل "تھانہ صدر" میں طویل عرصے سے تعینات تھا اس لیے اس علاقے کے معاملات کو خاصی حد تک سمجھتا تھا اور یہاں کے لوگوں کے بارے میں بھی اسے کافی معلومات حاصل تھیں۔ راستے میں اس نے مجھے چوہدری فرزند علی اور عالیہ بیگم کے بارے میں بھی گردشی افواہوں سے متعلق بہت کچھ بتایا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ عالیہ بیگم کا مرحوم شوہر اللہ دتا چوہدری فرزند علی کے بہت قریب تھا۔ چوہدری کا مؤقف تو یہی تھا کہ وہ مرحوم دوست کی وجہ سے عالیہ بیگم اور اس کی بیٹی کا بہت خیال رکھتا تھا لیکن دبے لفظوں میں کچھ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا گیا تھا کہ چوہدری فرزند علی، عالیہ بیگم پر دانت تیز کررہا تھا اور عنقریب اس سے شادی کرنے والا تھا۔

لوگوں کا ایک گروہ اس خیال کا حامی تھا کہ چوہدری کے عالیہ بیگم سے ناجائز مراسم تھے اور شادی والی بات اس نے پردہ پوشی

میں نے ستائشی نظر سے عالیہ بیگم کو دیکھا اور کہا "بہت خوب! آپ ایک ذہین عورت ہیں۔ آپ نے بڑی خوبصورتی سے، موقع محل کی مناسبت سے صورت حالات کو نبھایا ہے۔"

وہ اپنی تعریف سن کر خوش ہوگئی لیکن خوشی کا یہ تاثر بیٹی کی گمشدگی کے غم میں دب کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں رخصت ہوگئے۔

○٭٭٭○

میں نے چوہدری فرزند علی کو دانستہ ٹال دیا تھا۔ مجھے تھانے میں ایسا کوئی ضروری کام بھی نہیں تھا۔ میں چاہتا تو ان کے ساتھ ہی تانگے میں کنگنی والا چلا جاتا لیکن میں نے ایک مصلحت کے تحت انہیں روانہ کردیا تھا۔ میں کنگنی والا جاکر پہلے اپنے طور پر کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا جو چوہدری کی موجودگی میں ممکن نہیں تھا۔ جب چوہدری نے مجھے بتایا تھا کہ عالیہ بیگم بھی اس کے ساتھ ہی حویلی جارہی ہے تو مجھے اپنے مقصد میں کامیابی کے امکانات زیادہ روشن دکھائی دینے لگے تھے۔

دس منٹ کے بعد میں نے اے ایس آئی رانا افضل کو اپنے کمرے میں طلب کیا اور کہا "رانا، ہمیں فوری طور پر کنگنی والا جانا ہے۔"

رانا نے کہا "میں کسی سپاہی کو بھیج کر تانگا منگواتا ہوں جناب!"

"نہیں، تانگے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ حیران نظر سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا "ملک صاحب، ہمارے تھانے کے نزدیک ہی تانگوں کا اڈا ہے۔ میں دو منٹ میں تانگا..."

میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "میں جانتا ہوں کہ ہمارے تھانے کی بغل میں نہ صرف یہ کہ تانگوں کا اڈا ہے بلکہ بسوں کا اڈا بھی موجود ہے لیکن ہم کسی تانگے وانگے پر کنگنی والا نہیں جائیں گے۔"

"تو کیا پیدل جانے کا ارادہ ہے ملک صاحب!"

"بالکل، ہم پیدل ہی جائیں گے" میں نے رانا افضل کی حیرانی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا پھر اضافہ کیا "نہ صرف پیدل جائیں گے بلکہ یہ وردی بھی یہیں چھوڑ کر سادہ لباس میں وہاں پہنچیں گے" میں نے اپنی اور پھر اس کی وردی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ بولا "لگتا ہے، کوئی نہایت ہی سنگین معاملہ ہے۔"

"ہوسکتا ہے، یہ معاملہ واقعی سنگین ثابت ہو" میں نے کہا۔

رانا افضل نے پوچھا "کسی بندے کو گرفتار کرنے جانا ہے جناب!"

میں نے مختصر طور پر اسے صفیہ کے مبینہ اغوا کے بارے میں بتایا۔ پوری بات سننے کے بعد رانا افضل نے کہا "تو چوہدری فرزند علی اسی سلسلے میں یہاں آیا تھا۔"

میں نے اثبات میں جواب دیا اور اسے فوری طور پر لباس تبدیل کرنے کی ہدایت دی۔ وہ میرے کمرے سے نکلا تو میں بھی جلدی سے اپنے سرکاری کوارٹر کی جانب بڑھ گیا تاکہ وردی اتار کر سادہ لباس پہن سکوں۔ میرا سرکاری کوارٹر تھانے سے ملحقہ تھا۔ میں نے سادہ لباس میں کنگنی والا جانے کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ ویسے بھی میں اس علاقے میں نیا تھا۔ کوئی شکل وصورت سے مجھے نئے تھانے دار کی حیثیت سے نہیں جانتا تھا۔ سادہ لباس میں مجھے پوچھ تاچھ کی زیادہ آسانی ہوجاتی۔ ایک بات کا تو مجھے یقین تھا کہ چوہدری فرزند علی اور عالیہ بیگم نے حقائق کو توڑ مروڑ کر بیان کیا تھا اور مجھے اسی الجھی ہوئی ڈور کو سلجھانا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں اے ایس آئی رانا افضل کے ساتھ سادہ لباس میں تھانے سے باہر نکلا تو غیر ارادی طور پر رانا افضل کے قدم جی ٹی روڈ کی طرف اٹھنے لگے۔ میں نے ہاتھ پکڑ کر اسے روکا تو وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے تھانے کی عقبی سمت میں اشارہ کرتے ہوئے کہا "ہم اِدھر سے جائیں گے۔"

"جی ٹی روڈ سے سیدھا راستہ ہے ملک صاحب!"

"لیکن میں ٹیڑھے راستے سے جانا چاہتا ہوں" میں نے کہا "ہم کھیتوں کے اندر ہی اندر سفر کرتے ہوئے کنگنی والا میں داخل ہوں گے۔ کیا تمہیں اس طرف سے جانے پر کوئی اعتراض ہے؟"

"مجھے کوئی اعتراض تو نہیں جناب!" وہ الجھے ہوئے لہجے میں بولا "لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ صاف ستھرا راستہ چھوڑ کر کھیتوں کے اندر سے گرتے پڑتے کیوں کنگنی والا پہنچنا چاہتے ہیں۔ ہم تانگے میں بیٹھ کر بہ آسانی پندرہ بیس منٹ میں کنگنی والا پہنچ سکتے ہیں۔"

"تم اپنے ذہن کو زیادہ مت الجھاؤ رانا" میں نے کھیتوں میں داخل ہوتے ہوئے کہا "میری تفتیش کا انداز دوسروں سے مختلف ہے۔ آہستہ آہستہ تم سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔"

اے ایس آئی رانا افضل "تھانہ صدر" میں طویل عرصے سے تعینات تھا اس لیے اس علاقے کے معاملات کو خاصی حد تک سمجھتا تھا اور یہاں کے لوگوں کے بارے میں بھی اسے کافی معلومات حاصل تھیں۔ راستے میں اس نے مجھے چوہدری فرزند علی اور عالیہ بیگم کے بارے میں بھی گردشی افواہوں سے متعلق بہت کچھ بتایا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ عالیہ بیگم کا مرحوم شوہر اللہ دتا چوہدری فرزند علی کے بہت قریب تھا۔ چوہدری کا مؤقف تو یہی تھا کہ وہ مرحوم دوست کی وجہ سے عالیہ بیگم اور اس کی بیٹی کا بہت خیال رکھتا تھا لیکن دبے لفظوں میں کچھ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا گیا تھا کہ چوہدری فرزند علی، عالیہ بیگم پر دانت تیز کررہا تھا اور عنقریب اس سے شادی کرنے والا تھا۔

لوگوں کا ایک گروہ اس خیال کا حامی تھا کہ چوہدری کے عالیہ بیگم سے ناجائز مراسم تھے اور شادی والی بات اس نے پردہ پوشی

کے لیے مشہور کرر کھی تھی۔ ایک سنجیدہ حلقے کا خیال سب سے مختلف تھا۔ ان کے مطابق' چوہدری فرزند علی کے عالیہ بیگم سے ناجائز تعلقات تھے اور نہ ہی عالیہ بیگم اس سے شادی کرنے کو تیار تھی البتہ یہ تھا کہ چوہدری اس سے شادی کے لیے سنجیدہ تھا اور عالیہ بیگم کی رضامندی کا انتظار کر رہا تھا۔

الغرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ رانا افضل نے مجھے یہ بھی بتایا کہ چوہدری فرزند علی نے تین شادیاں کرر کھی تھیں لیکن کسی ایک بیوی سے بھی اس کی اولاد نہیں تھی۔ رانا افضل کنگنی والا پہلے بھی کئی مرتبہ آچکا تھا اس لیے عالیہ بیگم کا گھر ڈھونڈنے میں ہمیں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ عالیہ بیگم کے گھر کے دروازے پر واقعی ایک صحت مند تالا جھول رہا تھا۔

میں نے ابھی تک رانا افضل کو اپنے پروگرام سے آگاہ نہیں کیا تھا اس لیے وہ عالیہ بیگم کے گھر کے بیرونی دروازے پر پڑے وئے تالے کو دیکھ کر مایوس ہوگیا' نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا ملک صاحب! اتنا پینڈا (سفر) کرکے آئے اور نتیجہ کچھ بھی ہیں۔"

"تم کس قسم کے نتیجے کی توقع کر رہے تھے؟" میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

وہ بولا "ظاہر ہے جناب' آپ وقوعہ کا جائزہ لینے آئے تھے لیکن یہاں تو مدعا ہی غائب ہے۔"

"میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ یہاں تالا ہمارا استقبال کرے گا۔"

"پھر بھی آپ کھیتوں کے اندر سے ایک گھنٹا گرتے گراتے یہاں آئے ہیں" اے ایس آئی کے لہجے سے بیزاری عیاں تھی۔ "خوامخواہ...."

"عالیہ بیگم اس وقت چوہدری فرزند علی کی حویلی میں ہے" میں نے اس کی بیزاری کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

وہ بولا "تو چلیں' حویلی کی طرف ہی چلتے ہیں۔"

"اگر مجھے چوہدری کی حویلی میں جانا ہوتا تو میں تانگے میں بیٹھ کر جی ٹی روڈ سے سیدھا اس کے پاس پہنچ جاتا۔ تانگا تو رہا ایک طرف' میں تو واہنڈو جانے والی بس میں بھی سفر کر سکتا تھا" میں نے کہا اور ایک دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ یہ دروازہ میرے اندازے کے مطابق بابا بشیر احمد کے گھر کا تھا۔ پیچھے سے اے ایس آئی کی آواز میری ساعت سے ٹکرائی۔

"ملک صاحب! آپ کی تفتیش میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"ابھی آجائے گی کاکا" میں نے ایسے انداز میں کہا جیسے بچوں کو پچکارتے ہیں اور مذکورہ دروازے پر دستک دے دی۔

دوسری دستک کے جواب میں دروازہ ذرا سا وا ہوا اور ایک ادھیڑ عمر عورت نے جھانک کر باہر دیکھا۔ اپنے سامنے دو اجنبی افراد کو کھڑے دیکھ کر اس نے سوال کیا۔

"کس سے ملنا ہے آپ کو؟"

میں نے عالیہ بیگم کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "کیا عالیہ بیگم کا گھر یہی ہے؟"

اس نے گردن تھوڑی سی باہر نکال کر جواب دیا "ہاں، گھر تو یہی ہے لیکن لگتا ہے، وہ گھر میں نہیں ہے۔ باہر تو تالا پڑا ہوا ہے!"

"وہ کہاں گئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

وہ ہاتھ نچا کر بولی "جائے گی کہاں، چوہدری کی حویلی میں ہوگی!"

اس کے انداز سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اپنے دل میں عالیہ بیگم کے لیے کوئی اچھے جذبات نہیں رکھتی تھی۔ میرے تجربے کے مطابق اس عورت کی عمر چالیس سے تجاوز کرچکی تھی۔ وہ مزاج کی خاصی تیز لگتی تھی۔ میں نے ابھی تک اس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ کیا واقعی وہ بابا بشیر احمد کی بیوی تھی یا میں نے کسی غلط دروازے پر دستک دے دی تھی۔ میں ایک ایک قدم طے شدہ منصوبے کے تحت اٹھا رہا تھا۔ وہ مختار بی بی سے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتی تھی۔

میں نے چوہدری فرزند علی سے معلوم کرلیا تھا کہ بابا بشیر احمد کا گھر، عالیہ بیگم کے گھر سے کس طرف تھا اور میں نے یقینی طور پر کسی غلط دروازے پر دستک نہیں دی تھی۔ اے ایس آئی میرے پہلو میں کھڑا بے چینی و بیزاری سے کبھی مجھے اور کبھی مسز بشیر احمد کو دیکھ رہا تھا۔

میں نے مختار بی بی سے پوچھا "کیا عالیہ، چوہدری کی حویلی میں کام کرتی ہے؟"

اس نے گھور کر مجھے دیکھا اور پھر پوچھا "کیا آپ نے اسے نوکرانی سمجھا ہوا ہے؟"

"پھر وہ چوہدری کی رشتے دار ہوگی؟"

"اونہہ! رشتے دار!" وہ برا سا منہ بنا کر بولی "ذات دی کوڑھ کرلی تے شہتیراں نال جپھے۔ پتا نہیں خود کو کیا سمجھتی ہے۔ کمی کمین، چوہدری صاحب کو پتا نہیں اس میں کیا نظر آگیا ہے۔"

لگتا تھا، مختار بی بی، عالیہ بیگم پر ادھار کھائے بیٹھی تھی۔ میں نے پوچھا "اگر عالیہ، چوہدری کی رشتے دار بھی نہیں اور نہ ہی وہ وہاں کام کرتی ہے تو پھر وہ حویلی میں کیا لینے گئی ہے؟"

"یہ تو اسی سے جا کر پوچھیں" وہ تلخی سے بولی۔

بات ختم کرتے ہی اس نے میرے منہ پر دھڑام سے دروازہ بند کردیا۔ میں نے اے ایس آئی کی طرف دیکھا، وہ طنز آمیز مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر بولا "ملک صاحب، اب کیا ارادہ ہے؟"

میں نے کہا "اب تم دستک دو۔ میری گفتگو ابھی مکمل نہیں ہوئی۔"

"آپ کا مطلب ہے، اسی دروازے پر دوبارہ دستک دوں؟"

"ہاں، میرا مطلب یہی ہے۔"

"ملک صاحب! میری مانیں تو سیدھے حویلی چلتے ہیں۔"

"حویلی بعد میں جائیں گے اگر ضرورت پڑی تو" میں نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا "فی الحال وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔"

چند لمحات کے تذبذب کے بعد وہ دستک دینے کے لیے آگے بڑھا۔ اسی وقت ایک بوڑھا شخص گلی میں نمودار ہوا اور سیدھا ہماری طرف چلا آیا۔ اے ایس آئی نے دستک کا ارادہ ترک کردیا۔ بوڑھے شخص نے ہمارے قریب آکر کہا۔

"میرا نام بشیر احمد ہے۔ آپ میرے دروازے پر کیوں کھڑے ہیں؟"

میں نے کہا "ہم تم سے ملنے آئے ہیں بابا بشیرا۔"

اس نے آنکھیں سکیڑ کر ہمیں پہچاننے کی کوشش کی۔ اس کی عمر لگ بھگ پچاس ہوگی لیکن محنت مزدوری کے سبب وہ اپنی عمر سے دس سال بڑا دکھائی دیتا تھا۔ تھوڑی سوچ بچار کے بعد اس نے کہا "میں نے آپ کو پہچانا نہیں جناب، آپ کون ہیں؟"

"پہچاننے کا کیا سوال چاچا، ہم پہلی بار مل رہے ہیں" میں نے کہا پھر اپنا تعارف کرواتے ہوئے بتایا "میرا نام ملک صفدر حیات ہے۔ میں تھانہ صدر کا نیا تھانے دار ہوں" پھر میں نے اے ایس آئی کی طرف اشارہ کیا "یہ رانا افضل، اسسٹنٹ سب انسپکٹر ہے۔"

"اوہ.... پولیس!" وہ گھبراہٹ آمیز لہجے میں بولا "آ.... آ.... آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟"

"پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے چاچا" میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا "ہم تم سے امیر علی کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہیں۔"

"امیر علی، کیا ہوا اسے؟" وہ تفکر آمیز لہجے میں بولا۔

میں نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے کہا "یہاں گلی میں کھڑے ہوکر بات کرنا مناسب نہیں۔ کیا ہم تمہارے گھر کے اندر نہیں بیٹھ سکتے؟"

"ہاں ہاں ضرور" اس نے جلدی سے کہا اور لرزتے ہوئے ہاتھ سے دروازہ دھڑدھڑانے لگا۔

مختار بی بی نے فی الفور دروازہ کھول دیا "آئیں جی تھانے دار صاحب!" بشیر احمد نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا "اندر تشریف لے آئیں۔"

مختار بی بی حیرت و پریشانی سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔ ہم بابا بشیر احمد کے پیچھے گھر کے اندر داخل ہوگئے۔ اس نے ہمیں بیٹھک نما کمرے میں بٹھایا اور مختار بی بی کو چائے پانی لانے کو کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے چاچا" میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کرتے ہوئے کہا "تم یہیں بیٹھو اور ہمارے چند سوالوں کے ٹھیک ٹھیک جواب دو۔"

"جی پچھو!" وہ ایک چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

مختار بی بی نے کہا "آپ تھوڑی دیر پہلے تو عالیہ بیگم کے بارے

میں پوچھ رہے تھے؟"

"ہاں" میں نے اثبات میں سر ہلایا "ہم عالیہ بیگم، صفیہ اور امیر علی کے بارے میں تفتیش کر رہے ہیں۔"

"کیسی تفتیش؟" وہ تیوری چڑھا کر بولی پھر پوچھا "کیا واقعی آپ لوگوں کا تعلق پولیس سے ہے۔ پہلے تو آپ نے مجھے یہ بات نہیں بتائی تھی؟"

"ہم ہر بات ضرورت پڑنے پر بتاتے ہیں" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا "اور کوئی بات بغیر ضرورت کے بھی پوچھ سکتے ہیں۔"

اس کے چہرے کے تاثرات سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ میری بات کی گہرائی تک نہیں پہنچی تھی۔ اس نے اپنے خاوند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ان کو کھانا تو کھالینے دیں۔ صبح کے گئے ہوئے ابھی آئے ہیں۔"

مجھے معلوم ہوا کہ بابا بشیر احمد دوپہر کا کھانا کھانے گھر آتا تھا پھر تھوڑا آرام کر کے دوبارہ کارخانے چلا جاتا تھا جہاں سے اس کی واپسی شام کو ہوتی تھی۔ دوبارہ کارخانے جاتے ہوئے وہ امیر علی کے لیے کھانا لے جاتا تھا۔ بشیر احمد اور مختار بی بی اس گھر میں اکیلے رہتے تھے۔ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

بشیر احمد نے اپنی بیوی سے کہا "کھانا میں بعد میں کھالوں گا۔ پہلے تھانے دار صاحب پچھ پرتیت کرلیں۔"

میں نے کہا "چاچا، تم پہلے کھانا کھالو۔ پوچھ تاچھ میں شام بھی ہوسکتی ہے۔"

پھر میں نے مختار بی بی کی طرف دیکھتے ہوئے اضافہ کیا "تم اپنے خاوند کو کھانا کھلاؤ۔ اس وقت تک ہم گھوم پھر کر تمہارے گھر کا جائزہ لیتے ہیں۔"

جب تک بابا بشیر احمد نے دو چار لقمے زہر مار کیے۔ اس دوران میں، میں نے ان کے گھر کا تفصیلی معائنہ کرلیا۔ میری خصوصی توجہ عالیہ بیگم اور بشیر احمد کے گھروں کی درمیانی دیوار پر رہی تھی جو چوہدری فرزند علی کے بیان کے بہ موجب واقعی پانچ فٹ بلند تھی۔ امیر علی بہ آسانی یہ دیوار پھلانگ کر عالیہ بیگم کے صحن میں پہنچ سکتا تھا۔

بابا بشیر احمد کھانے سے فارغ ہوا تو میں نے مختار بی بی کی موجودگی میں اسے حالات کی سنگینی سے آگاہ کیا۔ وہ دونوں امیر علی اور صفیہ کے بارے میں جان کر پریشان ہوگئے۔ میرے مختلف سوالات کے جواب میں انہوں نے مجھے جو معلومات فراہم کیں، میں اس کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ صفحات کی تنگی کے باعث تفصیلات کی گنجائش نہیں ہے۔

امیر علی موضع سمبڑیال، ضلع سیالکوٹ کا وسنیک (رہائشی) تھا۔ روزگار کی تلاش میں وہ ضلع گوجرانوالہ آیا اور کوشش بسیار کے بعد اسے "فرید پاٹری لمیٹڈ" واقع جی ٹی روڈ میں نوکری مل گئی۔ مذکورہ کارخانے میں وہ گزشتہ ڈیڑھ دو سال سے کام کر رہا تھا۔ اس کارخانے میں سفید مٹی کے برتن تیار ہوتے تھے۔ پیالیاں، پیالے، ٹی سیٹ، ڈنر سیٹ اور بیام (مرتبان) وغیرہ۔ ٹی سیٹ اور ڈنر سیٹ خصوصی آرڈرز پر تیار کیے جاتے تھے۔ امیر علی پیکنگ ڈپارٹمنٹ میں ترنگڑ (مٹی کے برتنوں کی پیکنگ کے لیے استعمال ہونے والا ایک مخصوص جالی دار جھانگا تھیلا! جس کے اندر خشک پرال کی مختلف تہیں جما کر برتنوں کو محفوظ کیا جاتا ہے) بھرتا تھا۔ اس ڈپارٹمنٹ کا انچارج بابا بشیر احمد نامی ایک شخص تھا جسے سب لوگ بابا بشیرا کہتے تھے۔ بابا بشیرا اپنی بیوی مختار بی بی کے ساتھ کنگنی والا میں رہتا تھا۔ امیر علی رات کو چوکی دار نظام دین کے کمرے ہی میں سوتا تھا۔

امیر علی مہینے میں ایک بار اپنے گاؤں جاتا تھا۔ ایسا عام طور پر وہ تنخواہ ملنے کے بعد کرتا تھا۔ کارخانے میں سات تاریخ کو تنخواہ دی جاتی تھی۔ امیر علی کا والد مشتاق احمد جسمانی طور پر معذور تھا چنانچہ گھر میں سب سے بڑا ہونے کے سبب امیر علی پر سارا بوجھ آن پڑا تھا۔ وہ اپنے معذور والد، بوڑھی والدہ اور چھوٹے تین بہن بھائیوں کی کفالت کا ذمے دار تھا۔ امیر علی سے چھوٹی ایک بہن رابعہ تھی پھر رابعہ سے چھوٹے دو بھائی کبیر علی اور صغیر علی تھے۔

امیر علی چونکہ محنت اور لگن سے کام کر رہا تھا اس لیے بشیرا بابا اسے پسند کرنے لگا۔ ایک سال بعد ان میں اپنائیت کا رشتہ اس حد تک استوار ہوچکا تھا کہ بابا بشیرا اپنے گھر سے دن کا کھانا اس کے لیے لانے لگا تھا۔ کارخانے سے کنگنی والا زیادہ دور نہیں تھا۔ بابا بشیرا دوپہر کا کھانا گھر میں کھاتا تھا۔ رفتہ رفتہ امیر علی بابا بشیرا کے گھر بھی جانے لگا۔ کچھ عرصے بعد یہ ہونے لگا کہ ہر ہفتے کی رات کو امیر علی، بابا بشیرا کے گھر آجاتا۔ اتوار کا پورا دن وہ ان بوڑھے بے اولاد میاں بیوی کے ساتھ گزارتا اور پیر کی صبح بابا بشیرا کے ساتھ ہی کارخانے چلا جاتا۔

اس دوران میں امیر علی اور صفیہ میں راہ رسم کا آغاز ہوا۔ صفیہ کبھی عالیہ بیگم کے ساتھ اور کبھی اکیلی بابا بشیرا کے گھر آجاتی تھی۔ پہلے دونوں میں پسندیدگی کے جذبات نے جنم لیا پھر یہی جذبات محبت میں بدل گئے۔ عالیہ بیگم سے ان کے تعلقات کی نوعیت چھپی نہ رہ سکی اور اس نے مختار بی بی کے توسط سے بابا بشیرا سے امیر علی کی شکایت کردی۔ بابا بشیرا نے امیر علی سے پوچھ گچھ کی۔ اس نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کردیا اور یہ بھی بتایا کہ صفیہ بھی اسے چاہتی تھی۔ بابا بشیرا نے امیر علی کو حتی الوسع سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ بضد تھا کہ ہر قیمت پر صفیہ کو اپنا کر کے رہے گا۔ بابا بشیرا نے بہ ظاہر خاموشی اختیار کرلی لیکن اس کا دماغ ہر وقت کوئی ایسا طریقہ سوچنے میں مصروف تھا جس سے وہ امیر علی کو سمجھا سکے یا عالیہ بیگم کو اس رشتے کے لیے آمادہ کرسکے۔ اس نے اپنی بیوی مختار بی بی کے ذریعے ایک مرتبہ عالیہ بیگم کی مرضی جاننے کی کوشش کی تھی لیکن عالیہ بیگم نے بڑے برے انداز میں مختار بی بی کو جھاڑ دیا

تھا۔ بابا بشیرا اس لیے بھی زیادہ متفکر تھا کہ وہ امیر علی کو اپنے بیٹے کی طرح چاہنے لگا تھا۔

بابا بشیرا ابھی اس مسئلے کا کوئی مناسب حل سوچ بھی نہیں پایا تھا کہ ایک روز عالیہ بیگم نے امیر علی کو اپنے گھر بلوالیا۔ عالیہ بیگم نے مختاری بی کو بتایا تھا کہ وہ امیر علی سے صفیہ کے بارے میں کوئی خاص بات کرنا چاہتی تھی۔ یہ وقوعہ سے دو روز قبل یعنی جمعہ تیرہ دسمبر کی رات کا واقعہ ہے۔ عالیہ بیگم کے بلانے پر امیر علی کشاں کشاں اس کے گھر پہنچ گیا۔

اس وقت چوہدری فرزند علی بھی عالیہ بیگم کے گھر پر موجود تھا اور وہ لوگ رات کا کھانا کھانے کی تیاری کررہے تھے۔ عالیہ بیگم نے امیر علی کو بھی دسترخوان پر بٹھالیا۔ وہ بابا بشیرا کے گھر سے کھانا کھاکر آیا تھا تاہم وہ اس وقت اس قدر خوش تھا کہ انکار نہ کرسکا اور سر جھکاکر ان کا ساتھ دینے لگا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد چوہدری فرزند علی حقہ گڑگڑانے لگا۔ امیر علی، چوہدری کے جانے کا منتظر تھا۔ اس کا خیال تھا کہ عالیہ بیگم نے اسے جس مقصد کے لیے بلایا تھا وہ بات چوہدری کے جانے کے بعد ہی کی جاسکتی تھی لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی۔ عالیہ بیگم نے تو امیر علی کو ذلیل کروانے کے لیے وہاں بلوایا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد چوہدری فرزند علی، امیر علی کی جانب متوجہ ہوا۔ وہ گہری نظر سے امیر علی کا جائزہ لینے کے بعد بولا "برخوردار، تمہارا ذریعۂ معاش کیا ہے؟"

امیر علی نے شائستہ لہجے میں جواب دیا "جی، میں فرید پاڑی میں کام کرتا ہوں۔"

"میں نے پوچھا ہے، تم کام کیا کرتے ہو؟" چوہدری بدستور اسے گہری نظر سے گھور رہا تھا۔

چوہدری کے انداز نے امیر علی کو بوکھلادیا، وہ جلدی سے بولا "میں وہاں پیکنگ کا کام کرتا ہوں۔"

عالیہ بیگم نے تحقیر آمیز انداز میں مداخلت کی۔ "انگریزی کے الفاظ استعمال کرنے سے انسان کی شان نہیں بڑھ جاتی۔ چوہدری صاحب کو سیدھی طرح کیوں نہیں بتاتے کہ تم ترنگڑ بھرتے ہو؟"

امیر علی کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ عالیہ بیگم کے رویّے سے چوہدری فرزند علی کے سامنے اسے سبکی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے اپنے لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے کہا "محنت مزدوری کرنا کوئی بری بات نہیں ہے خالہ عالیہ۔"

"تم نے ٹھیک کہا ہے، محنت مزدوری کرنا واقعی کوئی بری بات نہیں ہے" عالیہ بیگم نے اس پر حقارت کی ایک نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "لیکن اپنی اوقات کو بھول جانا بہت بری بات ہے۔"

"میں سمجھا نہیں عالیہ!" چوہدری نے مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"چوہدری صاحب!" عالیہ بیگم، چوہدری کو مخاطب کرتے ہوئے بولی "ترنگڑ بھرنے والا یہ شخص میری صفیہ پر ریجھا ہوا ہے اور اس سے شادی کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اونہہ! یہ منہ اور مسور کی دال۔"

چوہدری فرزند علی نے امیر علی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "کیا عالیہ درست کہہ رہی ہے؟"

"جی چوہدری صاحب!" وہ بے خوفی سے بولا "میں اور صفیہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔"

عالیہ بیگم نے غصیلے لہجے میں کہا "اپنی ناپاک زبان سے میری بیٹی کا دوبارہ نام نہ لینا۔ ورنہ زبان گدی سے کھینچ لوں گی۔"

صفیہ سے اپنے محبوب کی یہ رسوائی دیکھی نہ گئی۔ وہ پہلی مرتبہ لب کشا ہوئی "امی، آپ امیر علی سے زیادتی کررہی ہیں۔ آپ اسے گھر میں بلاکر یوں بے عزت تو نہ کریں۔"

"میں نے اسے بلایا ہی اسی لیے تھا کہ آئینہ دکھاسکوں" عالیہ بیگم نے تڑخ کر کہا "تم اس کی زیادہ حمایت نہ کرو۔"

"میں کسی کی حمایت یا مخالفت نہیں کررہی ہوں امی!" صفیہ نے بے بسی سے کہا "میں نے ایک سچی بات کہی ہے۔"

"تم اپنی زبان بند رکھو اور دوسرے کمرے میں جاؤ" عالیہ بیگم نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ بحالتِ مجبوری صفیہ کو وہاں سے ہٹنا پڑا۔

چوہدری فرزند علی نے امیر علی سے کہا "تم شکل وصورت سے تو خاصے سمجھ دار لگتے ہو۔ یہ احمقانہ خیال تمہارے ذہن میں کیوں پیدا ہوا؟"

"کون سا احمقانہ خیال جناب؟"

"اب تم اتنے بھی احمق نہیں ہو کہ میری بات کو نہ سمجھ سکو۔"

"یہ بڑا میسنا (گھنّا) ہے چوہدری صاحب!" عالیہ بیگم نے نفرت آمیز نگاہ سے امیر علی کو دیکھتے ہوئے کہا "آپ اسے سیدھا سادہ اور معصوم نہ سمجھیں۔"

"ہوں!" چوہدری فرزند علی نے اپنی صحت مند مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا پھر کھاجانے والی نظر سے اسے دیکھنے لگا۔

اس رات امیر علی جتنی دیر عالیہ بیگم کے گھر میں بیٹھا، عالیہ بیگم، چوہدری فرزند علی کے توسط سے اسے ذلیل وخوار کرتی رہی۔ جب ان کی تحقیر آمیز باتیں اور طنز کے زہر میں بجھے ہوئے جملے امیر علی کی برداشت سے باہر ہوگئے تو وہ وہاں سے اٹھ آیا۔

وہ خاصا دل برداشتہ ہورہا تھا اور یہی ان کا مقصد بھی تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ امیر علی مایوس ہوکر صفیہ کا پیچھا چھوڑ دے۔ باتوں باتوں میں عالیہ بیگم یہ بات پہلے بھی امیر علی کو کئی مرتبہ سمجھا چکی تھی۔ چوہدری فرزند علی کے سامنے اس کی بے عزتی کرکے گویا اس نے ایک بہت بڑا معرکہ سر کرلیا تھا۔

امیر علی نے گھر آکر بابا بشیرا اور مختاری بی کو تمام صورتِ حال

سے آگاہ کردیا۔ بابا بشیرا نے کہا "میں تو تمہیں پہلے بھی کئی مرتبہ سمجھا چکا ہوں پتر۔ اسی دن کے لیے میں تمہیں منع کرتا تھا۔ صفیہ کو بھول جاؤ۔ وہ تمہاری قسمت میں نہیں ہے۔"

"چوہدری فرزند علی سے ٹکر لینا تمہارے ہمارے بس کی بات نہیں ہے امیر علی" مختار بی بی نے سمجھانے والے انداز میں کہا "وہ بہت طاقتور شخص ہے اور تم جانتے ہو' عالیہ بیگم کو چوہدری فرزند علی کی حمایت حاصل ہے۔"

وہ دونوں میاں بیوی کافی دیر تک اسے سمجھاتے سکھاتے رہے۔ رات دس بجے کے قریب امیر علی سونے کے لیے بیٹھک نما کمرے میں چلا گیا۔ بابا بشیرا اور مختار بی بی اندرونی کمرے میں سوتے تھے۔

دوسری صبح انہوں نے امیر علی کو ایک مرتبہ پھر زمانے کی اونچ نیچ اور موجودہ حالات کی سنگینی کے بارے میں سمجھایا۔ جواب میں امیر علی زیادہ تر خاموش رہا یا "ہوں' ہاں" میں سر ہلاتا رہا۔ اس روز ہفتہ تھا۔ بابا بشیرا گزشتہ روز ہی سے کچھ بخار کی کیفیت محسوس کررہا تھا اور اب باقاعدہ بخار اسے اپنے شکنجے میں جکڑ چکا تھا لہٰذا مختار بی بی نے اسے کام پر نہیں جانے دیا۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد امیر علی اکیلا ہی فرید پارٹی چلا گیا۔ پہلے تو امیر علی صرف ہفتے کی رات ہی بابا بشیرا کے گھر قیام کرنے آتا تھا لیکن گزشتہ دو ماہ سے وہ باقاعدہ روزانہ شام کو بابا بشیرا کے ساتھ ہی اس کے گھر کنگنی والا آنے لگا تھا اور اس میں سب سے زیادہ ہاتھ اس محبت کا تھا جو امیر علی اور صفیہ کے درمیان پروان چڑھ رہی تھی۔

بابا بشیرا کے بیان کے مطابق امیر علی ہفتے کی شام کارخانے سے آیا تو خاصا بجھا بجھا اور اداس دکھائی دیتا تھا۔ انہوں نے یہی سمجھا کہ یہ گزشتہ رات والے واقعے کا اثر ہوگا۔ بابا بشیرا کا بخار اب کم ہوچکا تھا۔ دونوں میاں بیوی نے یہی مناسب سمجھا کہ امیر علی کو زیادہ نہ کریدا جائے۔ وہ بھی رات کا کھانا کھانے کے بعد خاموشی سے اپنے کمرے میں سونے کے لیے چلا گیا۔

اتوار کی صبح جب انہوں نے امیر علی کو بستر پر غیر موجود پایا تو انہیں زیادہ حیرانی نہیں ہوئی کیونکہ امیر علی علی الصباح اٹھنے کا عادی تھا اور صبح کی سیر اس کے معمول میں داخل تھی لیکن جب آٹھ بجے تک بھی اس کی واپسی نہیں ہوئی تو انہیں تشویش ہوئی۔

بابا بشیرا نے اپنی بیوی سے پوچھا "یہ سودائی کہاں چلا گیا؟"

"خدا خیر کرے' اب تک تو اسے واپس آجانا چاہیے" مختار بی بی بھی پریشان ہوگئی "وہ کل ہی سے بڑا غم زدہ دکھائی دے رہا ہے۔"

بابا بشیرا نے خیال ظاہر کیا "کہیں وہ اپنے پنڈ کی طرف تو نہیں نکل گیا؟"

"اسے بغیر بتائے جانا تو نہیں چاہیے" مختار بی بی بولی "کیا اس نے آپ سے ایسی کوئی بات کی تھی؟"

بابا بشیرا نے نفی میں سر ہلایا پھر بولا "مجھے تو اس نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی۔ یہ تو میں نے اندازہ لگایا ہے۔"

"مجھے تو ڈر ہے' وہ کوئی ایسا ویسا قدم نہ اٹھا بیٹھے؟"

"تم ٹھیک کہتی ہو' یہ عمر بڑی عجیب ہوتی ہے۔"

وہ پورا دن مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کرتے رہے۔ شام تک وہ اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ امیر علی یقینی طور پر اپنے گاؤں سمبڑیال چلا گیا ہوگا۔ دوسری صبح پیر کے روز بابا بشیرا اکیلا ہی کارخانے چلا گیا کیونکہ اس وقت تک امیر علی واپس نہیں آیا تھا۔ اسی دن کی دوپہر کو بابا بشیرا میرے سامنے بیٹھا میرے سوالات کے جوابات دے رہا تھا۔

پوری بات سننے کے بعد میں نے پوچھا "چاچا بشیرا! اب تمہارا کیا خیال ہے؟ حالات وواقعات سے تو یہی پتا چلتا ہے کہ امیر علی' صفیہ کو گھر سے بھگالے گیا ہے۔ دونوں ہی کل صبح سے غائب ہیں۔"

مختار بی بی اپنے خاوند سے پہلے ہی بول اٹھی "پر عالیہ نے تو کل مجھے بتایا تھا کہ صفیہ قلعہ دیدار سنگھ گئی ہوئی ہے اور چند دن کے بعد واپس آئے گی۔"

"اس نے سب کو یہی بتایا ہے" میں نے کہا "وہ نہیں چاہتی کہ جوان بیٹی کے گھر سے غائب ہونے کی وجہ سے اس کی عزت پر کوئی حرف آئے۔"

"اونہہ عزت!" مختار بی بی نے بُرا سا منہ بنا کر گردن کو ایک جانب جھٹکا دیا پھر بولی "کہاں کی عزت تھانے دار صاحب۔ پورا پنڈ اس کی حرکتوں سے واقف ہے۔ بس چوہدری صاحب کے ڈر سے کوئی زبان نہیں کھولتا۔"

بابا بشیرا نے خشمگیں نظر سے اپنی بیوی کو دیکھا "بری بات ہے مختار۔ دوسروں کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے چنگی طراں سوچ لینا چاہیے۔"

"تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں" وہ چیخ کر بولی "چوہدری فرزند علی اس کے گھر کیا لینے آتا ہے؟"

بابا بشیرا نے کہا "چوہدری صاحب اس کے گھر والے کے دوست تھے اس لیے ماں بیٹی کا خیال رکھتے ہیں۔"

"میں جانتی ہوں' چوہدری کس قسم کا خیال رکھتا ہے اس چالاکو کا" مختار بی بی نے معنی خیز انداز میں کہا۔

بابا بشیرا ایک مرتبہ پھر اسے سرزنش کرنے لگا۔ میں نے مختار بی بی کو عالیہ بیگم کے خلاف بولتے ہوئے دیکھا تو اسے کریدنا شروع کیا۔ میرے مختلف سوالات کے جوابات میں اس نے اپنے جن خیالات کا اظہار کیا وہ گاؤں والوں کے اس شک کی تصدیق کرتے تھے کہ چوہدری فرزند علی اور عالیہ بیگم کے درمیان بڑی پراسرار قسم کی کھچڑی پک رہی تھی۔ مختار بی بی نے عالیہ بیگم کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس خوب اچھی طرح نکالی تھی۔ اس کے اس عمل کے

پیچھے یہ عنصر کارفرما تھا کہ جب مختار بی بی نے امیر علی کے رشتے کی بات عالیہ بیگم سے کی تھی تو اس نے مختار بی بی کو بڑی بری طرح لتاڑا تھا' عالیہ بیگم کی طرف سے مختار بی بی کا دل غم و غصے سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے بابا بشیرا کے مسلسل گھورنے کے باوجود بھی اپنا غبار نکال لیا تھا۔

اب تک مجھے جو معلومات حاصل ہوئی تھیں ان کی روشنی میں تو یہی دکھائی دے رہا تھا کہ امیر علی اور صفیہ ایک ساتھ ہی کہیں غائب ہوئے تھے لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ چوہدری فرزند علی اور عالیہ بیگم نے امیر علی اور صفیہ کے درمیان پلنے والی محبت کو مجھ سے چھپانے کی کوشش کیوں کی تھی۔ ان کے اس رویے کو دیکھتے ہوئے میں نے بھی دل میں ایک فیصلہ کرلیا۔ اسی فیصلے کے پیش نظر میں نے بابا بشیرا اور مختار بی بی سے تاکیدی انداز میں کہا۔

"ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے وہ چوہدری فرزند علی اور عالیہ بیگم تک نہیں پہنچنا چاہیے۔"

"آپ کا جو حکم سرکار!" بابا بشیرا نے فرمانبرداری سے کہا "آپ نہیں کہیں گے تو ہم کسی سے بھی اس کا ذکر نہیں کریں گے۔"

"میں تو پورے پنڈ کو بتاؤں گی کہ عالیہ کی کڑی کسی کے ساتھ نٹھ گئی ہے" مختار بی بی نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"تیرا دماغ تو ٹھیک ہے بھلیے لوکے؟" بابا بشیرا نے غصے سے کہا۔

وہ اپنے خاوند کے غصے کو نظرانداز کرتے ہوئے بولی "پنڈ والے تو یہ سمجھ رہے تھے کہ عالیہ کوئی چَن چڑھانے والی ہے لیکن صفو تو اس سے بھی تیز نکلی۔"

میں نے سخت لہجے میں کہا "مختار بی بی! یہ مت بھولو کہ بقول تمہارے' صفیہ جس "کسی" کے ساتھ نٹھ گئی ہے' وہ "کسی" تمہارے گھر کا فرد تھا۔ میری نرمی کا غلط مطلب نہ لو۔ میں تم دونوں کو اغوا کے معاملے میں گرفتار کرسکتا ہوں۔ صفیہ کی ماں نے میرے پاس اغوا کی رپورٹ درج کرائی ہے۔"

بابا بشیرا نے ملتجیانہ لہجے میں جلدی سے کہا "میں اس کی جگہ آپ سے معافی مانگتا ہوں تھانے دار صاحب۔ عالیہ نے اس کی بے عزتی کی تھی۔ یہ اپنے کلیجے کی ٹھنڈک کے لیے اس کے خلاف بڑھ چڑھ کر بول رہی ہے۔ آپ اسے معاف کردیں" پھر وہ بیوی کی جانب دیکھتے ہوئے بولا "تمہاری مت ماری گئی ہے جو اس قسم کی باتیں کررہی ہو؟"

میں نے کہا "صفیہ نے اغوا کی رپورٹ درج ہو چکی ہے بلکہ صفیہ کی بازیابی کے لیے میں نے تفتیش کا آغاز بھی کردیا ہے۔ میری جگہ کوئی دوسرا تھانے دار ہوتا تو فوری طور پر تم دونوں کو پکڑ کر تھانے میں بند کردیتا۔ امیر علی کی تلاش تو بعد میں شروع ہوتی۔ میں اگر تم لوگوں کے ساتھ رعایت سے کام لے رہا ہوں تو تم بھی مجھ سے تعاون کرو۔ یہ سچ ہے کہ صفیہ والا معاملہ اب زیادہ دیر چھپایا نہیں جاسکتا۔ بہت جلد پورے پنڈ کو اس کی خبر ہوجائے گی۔ میں کسی خاص وجہ سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ ہماری "گفتگو" کا چوہدری اور عالیہ کو پتا نہ چلے۔"

"ایسا ہی ہوگا تھانے دار صاحب!" بابا بشیرا نے پُریقین لہجے میں کہا "میں اس پاگل کو سمجھالوں گا۔"

مختار بی بی خاموش رہی۔ شاید بات اس کی سمجھ میں بھی آگئی تھی۔ میں کچھ کہنے کا ارادہ کرنے ہی والا تھا کہ اسی وقت بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔

بابا بشیرا نے جاکر دروازہ کھلا اور آکر بتایا کہ چوہدری فرزند علی آیا تھا۔ چوہدری' بابا بشیرا کے پیچھے ہی گھر میں داخل ہوچکا تھا اس کے ساتھ عالیہ بیگم بھی تھی۔

"ملک صاحب! آپ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں" اس نے بیٹھک میں داخل ہوتے ہوئے کہا "جناب' میں ادھر حویلی میں آپ کے انتظار میں سوکھ رہا ہوں۔"

"میں آپ کے پاس ہی آرہا تھا" میں نے اٹھتے ہوئے کہا "سوچا' دوچار باتیں بابا بشیرا سے بھی کرلوں۔ آپ کو کیسے پتا چلا' میں یہاں ہوں؟"

"ملک صاحب! میں اس پنڈ کا چوہدری ہوں" وہ اپنی فربہ مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے بولا "مجھے سب خبر رہتی ہے' اس پنڈ میں کون آیا اور کون گیا؟"

میں نے سراہنے والے انداز میں کہا "بہت خوب چوہدری صاحب' آپ تو خاصے باخبر آدمی ہیں۔"

وہ اپنی تعریف سن کر خوش ہوگیا پھر مختار بی بی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "ملک صاحب! اس عورت نے آپ کو کوئی نئی پٹی تو نہیں پڑھادی؟"

"میں کسی کی پٹیوں میں نہیں آتا چوہدری صاحب!" میں نے ذومعنی انداز میں کہا "اپنے ذہن سے سوچتا ہوں' حالات کا تجزیہ کرتا ہوں' پھر قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے کوئی عملی قدم اٹھاتا ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہرحال میں قانون کے تقاضے پورے ہوں گے۔"

"وہ میرا مطلب یہ تھا کہ..."

میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "میں نے کہا نا' پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ میں قانون کی پٹی پڑھا ہوا ہوں۔"

وہ جزبز ہوکر بولا "ان لوگوں نے کچھ بتایا ہے کہ وہ حرام زادہ کہاں گیا ہے؟"

"یہ دونوں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا اور یہ کوئی جھوٹ بھی نہیں تھا۔

چوہدری نے باہر کی جانب قدم اٹھاتے ہوئے کہا "آئیں' میں

"آپ کو موقع دکھادوں۔"

میں اے ایس آئی رانا افضل کے ساتھ چوہدری کے پیچھے ہی بابا بشیرا کے گھر سے نکل آیا۔ میرے ذہن میں ہر لمحے یہ خدشہ موجود رہا تھا کہ کہیں عالیہ بیگم اور مختاری بی کوئی محاذ نہ کھول بیٹھیں لیکن خیریت گزری کہ مختاری بی نے میری ہدایت پر عمل کیا اور عالیہ بیگم نے بھی کوئی تلخ یا ترش بات نہیں کی تھی۔

چوہدری نے عالیہ بیگم کے گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا "مجھے تو شک ہے ملک صاحب' یہ بڈھا بڈھی ضرور امیر علی کے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتے ہوں گے۔ آپ ان پر ذرا سختی کریں تو ممکن ہے' کوئی کام کی بات معلوم ہوجائے۔"

"ضرورت پڑی تو میں ان دونوں کو حوالات میں ڈال دوں گا" میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا پھر اے ایس آئی کو مخاطب کرتے ہوئے ہدایت کی "رانا' تم ذرا بابا بشیرا سے کہہ آؤ کہ گھر میں ہی رہے۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی فرید پاڑی چلوں گا۔"

اے ایس آئی چلا گیا تو چوہدری مجھے اس کمرے میں لے آیا جہاں صفیہ وقوعہ کے روز رات کو سوئی تھی۔ وہ ایک اندرونی کمرا تھا۔ عالیہ بیگم مجھے بتا چکی تھی کہ صفیہ الگ کمرے میں سوتی تھی۔ عالیہ بیگم میرے قریب ہی کھڑی تھی۔ میں نے اس سے سوال کیا۔

"عالیہ بیگم! کیا آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ صفیہ نے رات سونے سے پہلے دروازے کو اندر سے کنڈی لگائی تھی؟"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں تھانے دار صاحب!" وہ بے زاری سے بولی "اگر صفیہ نے دروازے کو کنڈی لگائی ہوتی تو وہ شیطان اندر داخل کیسے ہوسکتا تھا؟"

میں نے کہا "اس کا مطلب ہے' دروازہ اندر سے بند نہیں تھا" یہ جملہ میں نے بڑے سرسری انداز میں ادا کیا تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد میں نے عالیہ بیگم سے پوچھا "اچھی طرح سوچ کر بتائیں' گزشتہ چند روز میں آپ نے کسی معاملے پر صفیہ کو ڈانٹ ڈپٹ تو نہیں کی تھی؟"

"بالکل نہیں تھانے دار صاحب!"

"آپ نے صفیہ کے رویے میں کوئی غیر معمولی بات محسوس کی ہو؟"

"نہیں جناب!" اس نے نفی میں سرہلایا "سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔"

میں نے کہا "اگر واقعی امیر علی نے آپ کی بیٹی کو غائب کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے صفیہ کو گھر سے نکالنے سے پہلے ضرور بے ہوش کیا ہوگا۔ بہ صورت دیگر صفیہ یقینی طور پر مزاحمت کرتی اور شور شرابے سے آپ کی آنکھ کھل جاتی۔"

"میرا بھی یہی اندازہ ہے ملک صاحب" چوہدری فرزند علی نے کہا "اس چالباز نے بڑی منصوبہ بندی سے صفیہ کو غائب کیا ہے۔ اگر وہ ایک بار میرے ہتھے چڑھ جائے تو میں اس کی ساری چالبازی..... کے راستے نکال دوں گا۔"

بات ختم کرتے ہی چوہدری جھینپ گیا۔ اسے فوری طور پر احساس ہوگیا کہ عالیہ بیگم کی موجودگی میں اسے ناشائستہ کلمات ادا نہیں کرنا چاہیے تھے مگر الفاظ منہ سے نکل چکے تھے اس لیے ان کی واپسی ممکن نہیں تھی۔

اسی دوران میں اے ایس آئی واپس آگیا۔ ہم دونوں نے گھوم پھر کر جائے وقوعہ کا تفصیلی جائزہ لیا پھر میری ہدایت پر اے ایس آئی موقع واردات کا نقشہ بنانے لگا اور میں چوہدری کے ساتھ عالیہ بیگم کی بیٹھک میں آبیٹھا۔ عالیہ بیگم بھی سائے کی طرح چوہدری کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

میں نے تھوڑی دیر تک خاموشی اختیار کیے رکھی پھر تنبیہہ لہجے میں چوہدری فرزند علی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "چوہدری صاحب! اب تو یہ معاملہ ڈھکا چھپا نہیں رہ سکتا۔ بات تھانے تک پہنچی ہے تو بہت جلد پورا گاؤں بھی اس سے آگاہ ہوجائے گا۔"

"یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ملک صاحب" چوہدری نے پرسوچ انداز میں کہا "اب تو عالیہ کی عزت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ جتنی جلدی صفیہ کو ڈھونڈ نکالیں گے' اتنا ہی اچھا ہوگا۔ خرچے کی آپ پروا نہ کریں۔ میں آپ کی ہر خدمت کے لیے تیار ہوں۔ عالیہ کی پریشانی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔"

میں نے کہا "صفیہ کی تلاش سے خرچے کا کیا تعلق چوہدری صاحب!"

"سمجھا کریں ملک صاحب!" وہ معنی خیز انداز میں بولا "میں نے اپنے علاقے کے ہر تھانے دار کا ہمیشہ خیال رکھا ہے۔"

میں نے دوٹوک انداز میں کہا "میں دوسرے تھانے داروں سے بہت مختلف ہوں چوہدری صاحب۔ مجھے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے حکومت پاکستان باقاعدہ تنخواہ دیتی ہے اور صفیہ کی بازیابی میرے فرائض کا حصہ ہے۔ آپ میری خدمت کا خیال دل سے نکال دیں البتہ آپ کے تعاون کی مجھے ہر قدم پر ضرورت پڑسکتی ہے۔"

"کس قسم کا تعاون تھانے دار صاحب؟" عالیہ بیگم نے پوچھا۔

"حقائق کی فراہمی۔"

"کیا مطلب؟" چوہدری نے چونک کر کہا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "چوہدری صاحب! میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ مجھے امیر علی اور صفیہ کے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتادیں۔ کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور معمولی سے معمولی بات کو بھی نظرانداز نہ کریں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں جلد از جلد صفیہ کا سراغ لگالوں تو مجھ سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہ کریں۔"

"ہم جتنا جانتے تھے وہ آپ کو بتا چکے ہیں" عالیہ بیگم نے کہا۔

میں نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے تنبیہی لہجے میں کہا "اگر بعد میں کسی مرحلے پر مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے دانستہ کوئی بات چھپانے کی کوشش کی تھی تو آپ کی پوزیشن بہت نازک ہو جائے گی۔"

میرا خیال تھا' وہ سمجھ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے امیر علی اور صفیہ کی محبت کے بارے میں سب کچھ ٹھیک ٹھیک بتادیں گے لیکن میرا خیال غلط ثابت ہوا۔ چوہدری نے نہایت ڈھٹائی سے کہا۔

"ملک صاحب! لگتا ہے' آپ ہمارے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔"

عالیہ بیگم جلدی سے بولی "ضرور اس تیرہ تالنی (مختاری بی) نے آپ کو کوئی الٹی سیدھی بات بتائی ہے۔"

"مجھے کسی نے کچھ نہیں بتایا۔"

"پھر آپ کو ہم پر کیا شک ہے؟"

میں نے کہا "مجھے آپ پر نہیں بلکہ صفیہ اور امیر علی پر شک ہے۔"

"کیسا شک؟" چوہدری نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"میرے خیال میں صفیہ بھی امیر علی کو پسند کرتی تھی" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا "اور وہ اپنی مرضی سے امیر علی کے ساتھ گئی ہے۔"

عالیہ بیگم چیخ سے مشابہ آواز میں بولی "میری بیٹی تو اس منحوس پر تھوکتی بھی نہیں تھی۔ وہی ہاتھ دھو کر صفیہ کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ صفیہ کے بارے میں تو میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ وہ ایسا قدم اٹھا سکتی ہے" ایک لمحے کے توقف سے اس نے اضافہ کیا "اب تو مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ آپ کو یہ باتیں اسی ست خصمی نے بھری ہیں۔"

اپنی بات ختم کرتے ہی وہ مختاری بی کو ناقابلِ اشاعت گالیوں میں تولنے لگی۔ چوہدری نے اس موقع پر خاصی سمجھ داری کا ثبوت دیا۔ اس نے پہلے تو عالیہ بیگم کا غصہ ٹھنڈا کیا پھر مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"ملک صاحب! حقیقت تو یہی ہے کہ صفیہ کا امیر علی کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاملہ نہیں تھا" اس نے ایک لمحے کا توقف کیا پھر سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا "اور بالفرض اگر وہ محبت نامی حماقت میں مبتلا ہو ہی گئی تھی تو اس سے معاملے کی سنگینی کم نہیں ہو جاتی اور نہ ہی امیر علی کو بے قصور ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ صفیہ اپنی مرضی سے اس کے ساتھ گئی ہے یا اس نے زبردستی صفیہ کو اغوا کیا ہے' ہر دو صورت میں امیر علی مجرم ہی رہے گا۔"

"مجھے آپ سے اتفاق نہیں ہے چوہدری صاحب!" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا "پہلی بات تو یہی کہ میں آپ کی طرح محبت کو حماقت نہیں سمجھتا ہوں۔"

"آپ تو میرے الفاظ پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

میں نے اس کی دلیل کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا "اور دوسری بات یہ کہ ہر دو صورت میں امیر علی کے جرم کی نوعیت اور سنگینی ایک جیسی نہیں رہے گی۔ آپ میری بات کا مطلب سمجھ رہے ہیں نا!"

عالیہ بیگم نے جلے کٹے لہجے میں کہا "امیر علی جائے جہنم میں۔ آپ اسے پھانسی پر لٹکائیں یا پھولوں کے ہار پہنائیں۔ مجھے تو میری صفیہ چاہیے۔"

"سچی بات یہی ہے ملک صاحب!" چوہدری نے عالیہ بیگم کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا "عالیہ' صفیہ کی وجہ سے بہت پریشان ہے۔"

"اس قسم کے معاملے میں ہر ماں کو اپنی بیٹی کے لیے پریشان ہونا ہی چاہیے" میں نے قدرے نرم لہجے میں کہا "آپ فکرمند نہ ہوں۔ میں آپ کی بیٹی کو بہت جلد ڈھونڈ نکالوں گا۔"

"اللہ آپ کا بھلا کرے تھانے دار صاحب!" عالیہ بیگم تشکر آمیز لہجے میں بولی "اگر میری بیٹی مجھے واپس مل جائے تو میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کروں گی۔ امیر علی سے مجھے کیا لینا دینا۔ آپ اس کے ساتھ جیسا جی چاہے' سلوک کریں۔"

چوہدری کے پسپائی آمیز رویے اور عالیہ بیگم کے بدلتے ہوئے تیوروں کو دیکھتے ہوئے مجھے یقین ہو گیا کہ مختاری بی اور بابا بشیرا کی فراہم کردہ معلومات مبنی بر سچ تھیں۔ ویسے بھی حالات کی صورت اسی جانب اشارہ کر رہی تھی کہ صفیہ اپنی مرضی اور خوشی سے امیر علی کے ہمراہ رفوچکر ہو گئی تھی۔ عالیہ بیگم اور چوہدری فرزند علی اگر امیر علی اور صفیہ کے روابط کو چھپانا چاہتے تھے تو میں نے بھی ایک حتمی نتیجے پر پہنچنے کے بعد فیصلہ کر لیا کہ انہیں اس معاملے میں اب زیادہ نہیں کریدوں گا۔ ایک بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ اگر امیر علی کا سراغ لگا لیا جاتا تو صفیہ تک بہ آسانی پہنچا جا سکتا تھا۔

بابا بشیرا' امیر علی کے بارے میں صرف اس حد تک جانتا تھا کہ وہ ضلع سیالکوٹ' موضع سمبڑیال کا رہنے والا تھا۔ یہ بات امیر علی ہی نے اسے بتائی تھی۔ اگر امیر علی نے بابا بشیرا سے غلط بیانی نہیں کی تھی تو سمبڑیال جا کر معلومات کرنا بہت ضروری تھا لیکن سب سے پہلے میں امیر علی کے کارخانے میں جا کر اس کارخانے کے مالک سے ملنا چاہتا تھا۔

میں نے چوہدری فرزند علی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "چوہدری صاحب! آپ موضع کنگنی والا کے بڑے باخبر چوہدری ہیں۔ ذرا سوچ کر بتائیں' کل صبح سے اب تک گاؤں میں سے کتنے افراد باہر گئے ہیں؟"

"میں آپ کو پندرہ منٹ بعد بتا سکتا ہوں کہ کل سے آج تک کون کون گاؤں سے باہر گیا ہے اور کون کون یہاں آیا ہے" چوہدری نے جواب دیا "مجھے اپنے خاص بندوں سے پوچھنا ہوگا۔

ویسے فوری طور پر میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ امیر علی اور صفیہ کے سوا سب افراد گاؤں میں موجود ہیں۔"

"بہتر ہوگا کہ آپ اپنے خاص بندوں سے بھی تصدیق کر لیں۔"

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا "کہیں آپ یہ تو نہیں سمجھ رہے کہ صفیہ کسی اور شخص کے ساتھ..."

اس نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ میں نے کہا "میں کسی امکان کو نظرانداز نہیں کرتا۔ بعض اوقات ایک معمولی سی بات سے حالات کا رخ بدل جاتا ہے۔"

چوہدری نے کہا "جناب ملک صاحب! آپ حویلی پر تشریف لے چلیں۔ باقی کی باتیں وہیں کریں گے۔ کچھ مجھے بھی تو خدمت خاطر کا موقع دیں۔"

"میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں" میں نے کہا "خدمت خاطر ادھار رہی پھر کبھی موقع ملا تو آپ کے دولت خانے پر بھی ضرور آؤں گا۔ ابھی تو میں نے جو چھوٹی سی گزارش کی ہے اس پر کچھ کام کریں۔"

"اب آپ تھانے جائیں گے؟"

"فی الحال تو میں ادھر ہی کچھ لوگوں سے معلومات حاصل کروں گا" میں نے کہا "پھر امیر علی کے کارخانے جاؤں گا۔"

"میرا تو خیال تھا' آپ حویلی پر چلتے۔"

"اور میں نے بھی آپ کو اپنے خیال سے آگاہ کر دیا ہے۔"

اسی دوران میں اے ایس آئی نے موقع واردات کا نقشہ تیار کر لیا تھا۔ میں نے ضروری کارروائی مکمل کر کے بابا بشیرا کے گھر کا رخ کیا۔ جب تک میں بابا بشیرا کے ساتھ کنگنی والا کی حدود سے باہر نہیں نکل گیا' چوہدری فرزند علی میرے ساتھ ساتھ رہا تھا۔ ایک بار تو اس نے یہ خواہش بھی ظاہر کی تھی کہ وہ میرے ساتھ فرید پاٹری تک جانا چاہتا تھا لیکن میں نے بڑی خوب صورتی سے اسے ٹال دیا تھا۔ چوہدری فرزند علی نے وعدہ کیا تھا کہ میری مطلوبہ معلومات وہ شام تک تھانے پہنچا دے گا۔

○☆○

"فرید پاٹری" مین جی ٹی روڈ پر واقع تھی اور کنگنی والا سے زیادہ دور نہیں تھی۔ جب ہم بابا بشیرا کی معیت میں کارخانے میں داخل ہوئے تو اس وقت سہ پہر کے تین بج رہے تھے۔ کارخانے کے باہر' مین گیٹ کے اوپر واضح الفاظ میں "فرید پاٹری لمیٹڈ" کا بورڈ نصب تھا جو میں نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا۔

داخلی گیٹ سے اندر دائیں جانب کارخانے کا دفتر تھا۔ بائیں جانب ایک چوڑا ہموار اور صاف فرش دکھائی دے رہا تھا جس پر ایک ترتیب کے ساتھ برتنوں والے سانچے رکھے ہوئے تھے۔ ان سانچوں میں ڈھلے ہوئے مٹی کے برتن موجود تھے جو سکھانے کے لیے دھوپ میں رکھے گئے تھے۔ اس طویل و عریض فرش کے بعد کارخانے کا اسٹور روم تھا جہاں امیر علی بابا بشیرا کے ساتھ ترنگڑ بھرتا تھا۔

دوسری جانب دفتری حصے کے بعد ایک بڑا ہال تھا جہاں برتن بنانے کے چاک نصب تھے۔ ان مشینی چاکوں پر درجن بھر افراد برتن بنانے میں مصروف تھے۔ اس ہال سے آگے کارخانے کے اختتامی حصے میں برتن پکانے کی چار بڑی بھٹیاں موجود تھیں۔ ہال میں نہ صرف یہ کہ چاکوں پر برتن سانچوں میں ڈھالے جاتے تھے بلکہ برتنوں پر گل کاری اور شیشہ سازی کا تمام کام بھی مکمل ہوتا تھا۔

ہم سیدھے کارخانے کے دفتر میں چلے آئے۔ کارخانے کا مالک بابو فرید احمد اپنی کرسی پر موجود تھا۔ اس کی عمر لگ بھگ چالیس سال تھی۔ اس کے علاوہ دفتر میں اس وقت منشی حفیظ اللہ بھی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ ان دونوں کے نام مجھے بعد میں معلوم ہوئے تھے۔

بابو فرید نے بابا بشیرا پر نظر پڑتے ہی کہا "بابا' کیا بات ہے۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔ بڑی دیر سے آ رہے ہو؟"

مجھے اس بات پر حیرت ہوئی کہ فرید نے امیر علی کے بارے میں کوئی استفسار نہیں کیا۔ میں نے سوچا' ممکن ہے بابا بشیرا اسے اس بارے میں پہلے ہی بتا چکا ہو۔

بابا بشیرا کے جواب دینے سے پہلے ہی میں نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا "میرا نام ملک صفدر حیات ہے۔" پھر میں نے اسے بتایا کہ میں اس علاقے کا نیا تھانے دار ہوں۔

وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ منشی حفیظ اللہ نے بھی اس کی تقلید کی۔ بابو فرید احمد اور منشی نے باری باری مجھ سے اور اے ایس آئی رانا افضل سے مصافحہ کیا اور ہمیں بیٹھنے کے لیے کرسیاں پیش کیں۔

ہم بیٹھ چکے تو بابا فرید نے حیرت بھرے لہجے میں کہا "خیریت تو ہے ملک صاحب۔ آپ بابا بشیرا کے ساتھ ..... میرا مطلب ہے' کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے۔"

"کوئی کیا' اچھی خاصی گڑبڑ ہے بابو جی۔" بابا بشیرا نے کہا۔

"کس قسم کی گڑبڑ؟" بابو فرید کی حیرت میں تشویش کا عنصر بھی شامل ہو گیا تھا۔

میں نے مختصر مگر جامع الفاظ میں بابو فرید کو امیر علی والے واقعے کے بارے میں بتایا۔ وہ افسوس ناک انداز میں سر ہلاتا رہا۔ میں نے اپنی بات کے اختتام پر کہا "میں اسی سلسلے میں پوچھ گچھ کرنے آیا ہوں۔"

"مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ امیر علی نے ایسی حرکت کی ہو گی۔" بابو فرید ابھی تک نفی میں سر ہلا رہا تھا "وہ ایسا تو نہیں تھا۔"

بابا بشیرا نے کہا "میں خود بھی اسے ایسا نہیں سمجھتا تھا بابو جی لیکن یہ واقعہ رونما ہو چکا ہے۔"

بابو فرید نے منشی حفیظ اللہ کو ہمارے لیے چائے پانی کا بندوبست کرنے کی ہدایت کی۔ میں نے منع کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن پھر اس کے خلوصِ دعوت کو دیکھتے ہوئے خاموش ہوگیا۔

بابا فرید نے مجھ سے پوچھا "آپ کس قسم کی پوچھ کچھ کرنا چاہتے ہیں؟"

میں نے کہا "سب سے پہلے تو آپ مجھے امیر علی کے گاؤں کا مکمل ایڈریس بتائیں۔"

"اس کا ایڈریس منشی کے پاس موجود رجسٹر میں سے مل جائے گا۔" بابو فرید نے کہا "کیا آپ اس کے گاؤں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

"ہاں، میں یہ ارادہ بھی رکھتا ہوں۔" میں نے کہا "اس کے علاوہ بھی ہر ممکنہ جگہ پر اسے تلاش کیا جائے گا۔ آپ اس سلسلے میں مزید کوئی راہ نمائی کرسکتے ہیں؟"

"میرے خیال میں تو امیر علی کے دو ہی ٹھکانے تھے۔" فرید احمد نے کچھ سوچنے کے بعد کہا "سمبڑیال اور بابا بشیرا کا گھر۔"

میں نے کہا "فرید صاحب! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"وہ کیا جناب؟"

میرے جواب دینے سے پہلے منشی ہماری خاطر تواضع کے احکامات جاری کرکے دوبارہ دفتر میں داخل ہوا۔ اس پر نظر پڑتے ہی بابو فرید نے اس سے کہا "منشی جی، ذرا وہ رجسٹر تو نکالیں جس پر امیر علی کے گاؤں کا پتا لکھا ہوا ہے۔" پھر وہ میری جانب متوجہ ہوگیا "جی ملک صاحب، آپ کس بات کا ذکر کررہے تھے!"

میں نے کہا "آج صبح جب امیر علی کارخانے نہیں پہنچا تو آپ نے کسی تشویش کا اظہار نہیں کیا۔ بابا بشیرا نے مجھے بتایا کہ آپ نے امیر علی کے بارے میں پوچھا تک نہیں۔ اس کی کوئی خاص وجہ؟"

"ہاں، اس کی خاص وجہ ہے۔" وہ اثبات میں سرہلاتے ہوئے بولا "ہفتے کے روز میں کارخانے نہیں آیا تھا۔ اتوار کو چھٹی ہوتی ہے آج صبح جب میں کارخانے پہنچا تو منشی حفیظ اللہ نے مجھے ہفتے والے دن کی مکمل رپورٹ پیش کردی۔ اس رپورٹ میں اور باتوں کے ساتھ ساتھ دو اہم اطلاعات یہ تھیں کہ مذکورہ روز بابا بشیرا بخار کی وجہ سے غیر حاضر رہا تھا اور امیر علی نے دو دن کی چھٹی لی تھی۔"

"چھٹی!" میں نے چونک کر بابو فرید احمد کو دیکھا پھر پوچھا "امیر علی نے کس سلسلے میں چھٹی لی تھی؟"

بابو فرید احمد نے بتایا "منشی کی زبانی مجھے معلوم ہوا تھا کہ گاؤں میں امیر علی کی والدہ بہت بیمار تھی اس لیے وہ دو دن کے لیے سمبڑیال جانا چاہتا تھا۔ منشی نے اسے پیر اور منگل یعنی آج اور آنے والے کل کی چھٹی دے دی تھی اسی لیے مجھے اس کے بارے میں کوئی تشویش نہیں ہوئی تھی۔"

اسی اثنا میں منشی مذکورہ رجسٹر لے کر آگیا۔ رجسٹر اس صفحے پر کھلا ہوا تھا جہاں امیر علی کا پتا درج تھا۔ امیر علی کے گاؤں کے پتے کے اوپر اس کی تصویر بھی چسپاں تھی۔

بابو فرید نے امیر علی کی دو روزہ چھٹی کا بتا کر اتنا بڑا انکشاف کیا تھا کہ میں امیر علی کا پتا نوٹ کرنے کے بجائے منشی کی جانب متوجہ ہوگیا۔ اتنی اہم بات بابا بشیرا کو بھی معلوم نہیں تھی کیونکہ اس نے ایسا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

میں نے اپنے روئے سخن منشی کی طرف پھیرا تو بابا فرید نے منشی سے کہا "تھانے دار صاحب کو امیر علی کی چھٹی کے بارے میں بتاؤ۔"

اس نے بالتفصیل مجھے سب کچھ بتادیا۔ میں نے سوال کیا "کیا امیر علی نے اس بارے میں کچھ بتایا تھا کہ اسے اپنی والدہ کی علالت کی اطلاع کس طرح ملی تھی؟"

منشی نے جواب دیا "امیر علی کے گاؤں کا ایک شخص یہاں ایک کپڑے کی فیکٹری میں کام کرتا ہے۔ وہ جمعے کے روز گاؤں سے آیا تھا۔ اسی کی زبانی امیر علی کو اپنی والدہ کی بیماری کی خبر ہوئی تھی۔"

"کیا وہ شخص آپ سے بھی ملا تھا؟"

"نہیں، مجھے امیر علی ہی نے اس بارے میں بتایا تھا۔"

میں نے اپنا تسلی کے لیے بابا بشیرا کی طرف دیکھا "چاچا، تم نے تو مجھے ایسی کوئی بات نہیں بتائی تھی؟"

وہ حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولا "مجھے تو خود ابھی پتا چل رہا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ امیر علی نے سب کچھ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا ہے ملک صاحب۔" اے ایس آئی رانا افضل نے کہا "ہمیں فوری طور پر اس کے گاؤں کا رخ کرنا چاہیے۔"

گاؤں کے ذکر سے میرا دھیان رجسٹر کی طرف چلا گیا اور میں نے اپنی جیب سے نوٹ بک نکال کر امیر علی کے گاؤں کا مکمل پتا نوٹ بک میں تحریر کرلیا پھر بابو فرید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "آپ کے پاس امیر علی کی اور کوئی تصویر بھی ہے؟"

"بس یہی ایک ہے۔" اس نے جواب دیا "اگر یہ تصویر آپ کے کسی کام آسکتی ہے تو رجسٹر سے اسے اکھاڑ لیں۔"

میں نے بہ حفاظت وہ تصویر اکھاڑ کر اپنی جیب میں محفوظ کرلی۔ میں نے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا تھا کہ رجسٹر کا مذکورہ صفحہ پھٹنے نہ پائے اور میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔

میں نے کارخانے کے چوکی دار نظام دین کو بھی دفتر ہی میں بلالیا۔ بابا بشیرا کی زبانی مجھے معلوم ہوچکا تھا کہ ابتدا میں امیر علی چوکی دار کے کمرے میں ہی سوتا تھا۔ میں کافی دیر تک چوکی دار نظام

الدین' منشی حفیظ اللہ اور بابو فرید احمد سے امیر علی کے بارے میں مختلف سوالات کرتا رہا۔ میں ہال میں کام کرنے والے ان کاری گروں سے بھی ملا جن کے ساتھ امیر علی کا اٹھنا بیٹھنا تھا لیکن سب کی متفقہ رائے یہی تھی کہ امیر علی بہت اچھا آدمی تھا۔ کوئی بھی اس سے اس قسم کی حرکت کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ ہزار کوشش کے باوجود بھی میں وہاں سے امیر علی کی تصویر اور ایڈریس کے سوا کچھ حاصل نہ کرسکا اور سردست یہ بھی بہت تھا۔

ہم چائے پینے کے بعد کارخانے سے باہر آگئے۔ بابو فرید نے آئندہ بھی اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا تھا۔ بابا بشیرا کو ہم نے کارخانے ہی میں چھوڑ دیا تھا۔

جی ٹی روڈ پر آکر ہم ایک تانگے میں بیٹھے اور تھانے آگئے۔

شام کو چوہدری فرزند علی نے تھانے آکر اطلاع دی کہ امیر علی اور صفدر کے سوا کوئی شخص گاؤں سے غیر حاضر نہیں تھا البتہ گزشتہ دو روز میں باہر سے دو مرد اور تین عورتیں بطور مہمان گاؤں میں پہنچے تھے اور یہ کوئی اہم بات نہیں تھی۔ خاص طور پر صفیہ اور امیر علی کے معاملے میں۔

میں نے تھانے پہنچتے ہی تین ہوشیار قسم کے اہل کاروں کی ڈیوٹی لگادی تھی کہ وہ سادہ لباس میں کنگنی والا پر نظر رکھیں اور اگر کوئی غیر معمولی بات یا واقعہ ان کی نظر سے گزرے تو فوری طور پر مجھے مطلع کریں۔

چوہدری کافی دیر تک میرے پاس تھانے میں بیٹھا رہا۔ میں نے اسے یقین دہانی کرادی کہ بہت جلد صفیہ کا سراغ مل جائے گا۔ البتہ میں نے اسے بابو فرید احمد اور منشی حفیظ اللہ سے ہونے والی اہم گفتگو کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ کارخانے سے نکلتے ہوئے میں نے بابا بشیرا کو بھی یہی تاکید کردی تھی۔

چوہدری جب رخصت ہوگیا تو میں حالاتِ حاضرہ کا تجزیہ کرنے لگا۔ امیر علی نے کارخانے سے پیرومنگل یعنی سولہ اور سترہ دسمبر کی چھٹی لی تھی۔ اگر واقعی وہ اپنی والدہ کو دیکھنے گیا تھا اور صفیہ والے معاملے میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا تو بروز بدھ اسے سمبڑیال سے واپس آجانا چاہیے تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر بالفرض امیر علی بدھ کو واپس کارخانے آجاتا تو پھر صفیہ کہاں غائب ہوگئی۔

تھوڑی دیر پہلے تک مجھے یقین ہوگیا تھا کہ امیر علی ہی صفیہ کو بھگالے گیا تھا لیکن اب میرے یقین کی عمارت میں ایک دراڑ نمودار ہوچکی تھی۔ اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا کہ امیر علی واقعی اپنی ماں کو دیکھنے چلا گیا ہو۔ ایک اور بات بھی مجھے الجھارہی تھی۔ امیر علی نے اپنی والدہ کی بیماری کو بابا بشیرا سے کیوں چھپایا تھا؟

ایک گھنٹے کی سوچ بچار کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ امیر علی نے اپنی والدہ کی بیماری کا بہانہ بناکر صفیہ کو بڑی صفائی سے اڑا لیا تھا۔ وہ چاہتا ہوگا کہ دو روز تک اس کی طرف کسی کا دھیان نہ جائے تاکہ وہ سب کی پہنچ سے بہت دور نکل جائے یا پھر وہ واقعی اپنے گاؤں گیا تھا اور صفیہ کے اغوا کے معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ ممکن ہے' بابا بشیرا کو وہ والدہ کی بیماری کے بارے میں اس لیے نہ بتاسکا ہو کہ عالیہ بیگم کے گھر میں اس کی بے عزتی والے واقعے نے اسے ذہنی طور پر خاصا منتشر کردیا تھا۔

حقیقت حال تک پہنچنے کے لیے دوسرے روز ہی کوئی عملی قدم اٹھایا جاسکتا تھا۔ میں تھانے سے اٹھا اور اپنے کوارٹر میں آگیا۔

○☆○

دوسرے روز میں نے ایس آئی (سب انسپکٹر) رب نواز کی قیادت میں ایک پولیس پارٹی ترتیب دی اور انہیں موضع سمبڑیال روانہ کردیا۔ میں نے ایس آئی کو تاکید کردی تھی کہ پہلے وہ اپنے طور پر امیر علی کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ اگر وہاں اس کی موجودگی کا سراغ ملے تو صفیہ سمیت اسے گرفتار کرکے تھانے لے آئے۔ اگر صفیہ اس کے ساتھ نہ ہو تو بھی امیر علی کو ضرور گرفتار کرکے لے آئے۔ میرا خیال تھا' امیر علی صفیہ کے اغوا میں ملوث تھا یا نہیں' ہردو صورت میں اس سے مفید معلومات حاصل ہوسکتی تھیں۔

اسی شام ایس آئی بے نیل مرام واپس لوٹ آیا۔ اس کی تحقیق و تفتیش کے مطابق امیر علی سمبڑیال گیا ہی نہیں تھا۔ یہ بات بھی غلط ثابت ہوئی کہ امیر علی کی والدہ بیمار تھی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ امیر علی نے اپنی والدہ کی بیماری کا ڈراما رچایا تھا۔ امیر علی کی والدہ نے ایس آئی کو بتایا تھا کہ قریب قریب ایک ہفتے قبل امیر علی گاؤں آیا تھا اور ایک رات وہاں گزار کر واپس چلا گیا تھا اور اس کی آمدورفت معمول کے مطابق تھی۔ فرید پاٹری میں سات تاریخ کو تنخواہ دی جاتی تھی۔ تنخواہ وصول کرنے کے بعد ہی امیر علی ہر ماہ اپنے گاؤں کا ایک چکر لگاتا تھا۔

ایس آئی نے امیر علی کے گھر والوں کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کردیا تھا' وہاں رونا پیٹنا مچ گیا۔ امیر علی کا باپ مشتاق احمد طویل عرصے سے معذوری کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس کی ماں بھی خاصی ضعیف ہوچکی تھی۔ بہن بھائی چھوٹے تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کریں تو کیا کریں۔ امیر علی کے بارے میں جان کر سب کے اوسان خطا ہوگئے تھے۔ ایس آئی رب نواز انہیں تسلی دے کر آیا تھا کہ جیسے ہی امیر علی کا کوئی سراغ ملا' انہیں بھی خبر کردی جائے گی۔ ان سے وعدہ بھی لیا تھا کہ انہیں اگر امیر علی اور صفیہ کے بارے میں کوئی بات پتا چلے تو وہ فوری طور پر متعلقہ تھانے میں اطلاع دیں۔ ایس آئی نے متعلقہ تھانے کے انچارج کو ساری صورتِ حال سے آگاہ کرکے تعاون کی اپیل کی تھی۔

اب ایک بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ صفیہ کے اغوا میں امیر علی صدفی صد ملوث تھا۔

اگلے روز میں نے امیر علی کی تصویر ایک فوٹو گرافر کو دے کر

اس کی نصف درجن کاپیاں تیار کروالیں۔ امیر علی کی تصویر کی ایک ایک کاپی میں نے اردگرد کے تھانوں کو بھجوادی اور تاکید کردی کہ وہ اپنے تھانوں کی حدود میں اس شخص کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ میں نے اس تلاش کا پس منظر بھی واضح کردیا تھا۔

آئندہ تین چار روز تک میں ان بسوں کے ڈرائیوروں اور کنڈیکٹروں سے پوچھ گچھ کرتا رہا جو پندرہ دسمبر بروز اتوار کی صبح کنگنی والا کے قریب سے گزری تھیں۔ بسوں کا اڈا میرے تھانے کے نزدیک ہی تھا۔ یہ شیخوپورہ موڑ کہلاتا تھا اور دو بڑی سڑکیں یہاں آکر ملتی تھیں۔ ایک تو مین' جی ٹی روڈ تھی جو لاہور سے راولپنڈی تک جاتی تھی۔ دوسری سڑک لائل پور (موجودہ فیصل آباد) سے آکر اس بڑی سڑک میں شامل ہوگئی تھی۔ شیخوپورہ' لائل پور کے راستے میں واقع تھا اسی وجہ سے بسوں کا اڈا شیخوپورہ موڑ بھی کہلاتا تھا۔

کنگنی والا میرے تھانے سے جنوبی سمت میں جی ٹی روڈ پر واقع تھا۔ وہاں سے گزرنے والی بسیں لاہور سے آتی تھیں یا لاہور جاتی تھیں۔ لاہور سے آنے والی بسیں اس زمانے میں عام طور پر سیالکوٹ یا راولپنڈی کی طرف جاتی تھیں۔ آج کل کا مجھے پتا نہیں۔ ایک بات تو ثابت ہوچکی تھی کہ امیر علی سمبڑیال نہیں پہنچا تھا' اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ یا تو لاہور کی طرف نکل گیا تھا یا پھر اس نے شمال میں راولپنڈی کا رخ کیا تھا۔

اس زمانے میں آج کل کی طرح سڑکوں پر بسوں کی بھرمار نظر نہیں آتی تھی اس لیے میں نے دو گھنٹے کی تفتیش کے بعد ہی معلوم کرلیا کہ پندرہ دسمبر کی صبح کنگنی والا سے صرف تین بسیں گزری تھیں۔ دو بسیں لاہور سے راولپنڈی کی طرف گئی تھیں جب کہ ایک بس سیالکوٹ سے آنے والی' لاہور کی طرف گئی تھی۔ یہ بس "چوہدری ٹریولز" کی تھی جب کہ راولپنڈی کی سمت جانے والی بسوں میں ایک "نیو خان بس سروس" کی تھی اور دوسری "پنجاب ہزارہ بس سروس" کی۔

تین چار روز تک میں ان تین بسوں کے ڈرائیوروں اور کنڈیکٹروں کو امیر علی کی تصویر دکھا کر پوچھ تاچھ کرتا رہا۔ انہوں نے امیر علی کی تصویر دیکھنے کے بعد پورے وثوق سے مجھے بتایا کہ امیر علی ان کی بسوں میں نہیں بیٹھا تھا' نہ تو اکیلا اور نہ ہی کسی نوجوان لڑکی کے ساتھ۔ امیر علی کے چہرے پر داڑھی موجود تھی اس لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ کسی نے اسے دیکھا ہو اور یاد نہ رکھا ہو۔ میں نے ان ڈرائیوروں اور کنڈیکٹروں کو صفیہ کا حلیہ بھی بڑی وضاحت کے ساتھ بتایا تھا۔

میں نے ایک اور امکان پر بھی غور کیا۔ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ وہ نصف شب کو فرار ہوئے ہوں۔ اس امکان کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے وہاں سے رات کو گزرنے والی بسوں کو بھی چیک کیا لیکن نتیجہ ڈھاک کے تین پات کی صورت میں برآمد ہوا۔ گویا یہ فیصلہ ہوگیا کہ وہ دونوں بس میں بیٹھ کر کسی دوسرے ضلع کی طرف نہیں گئے تھے۔ انہیں آس پاس کے علاقوں ہی میں تلاش کرنا چاہیے تھا۔

اس سے اگلے روز میں نے تین پولیس اہل کاروں پر مشتمل پانچ پولیس پارٹیاں ترتیب دیں اور اپنی تفتیش کا دائرہ کار وسیع کرتے ہوئے انہیں پورے ضلع میں پھیلا دیا۔ ان پارٹیوں کے علاوہ ضلع کے دوسرے تھانے بھی امیر علی اور صفیہ کی تلاش سرگرمی سے جاری رکھے ہوئے تھے۔ اس دوران میں چودھری فرزند علی تھانے کے کئی چکر لگاچکا تھا۔ وہ اپنے طور پر بھی مختلف علاقوں میں امیر علی اور صفیہ کو تلاش کروا رہا تھا۔ میں نے جن تین سادہ لباس پولیس اہل کاروں کو کنگنی والا میں متعین کر رکھا تھا ان کی جانب سے بھی کوئی خاص اطلاع مجھے موصول نہیں ہوئی تھی۔

میں نے اب تک کی کارروائی کی رپورٹ ایس پی علاقہ کو بھجوادی تھی۔ اس سلسلے میں جو دفتری کارروائیاں ہوتی رہیں' میں ان کے ذکر کو حذف کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہوں کیونکہ تفتیش کے دوران میں ہمیں بڑے پاپڑ بیلنا پڑتے تھے۔ ان کی تفصیل آپ کے لیے غیر دلچسپ ہوگی۔

یہ وقوعہ سے لگ بھگ ایک ماہ بعد کی بات ہے۔ وہ ہفتے کا دن تھا اور جنوری کی اٹھارہ تاریخ۔ موسم سرما اپنی جولانی پر تھا۔ برفیلی ہواؤں نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ دوپہر کے بعد مجھے اطلاع ملی کہ کنگنی والا میں ایک عجیب و غریب منظر دیکھنے میں آرہا ہے۔ اطلاع لانے والا ایک سادہ لباس پولیس اہل کار تھا۔

میں نے فی الفور اسے اپنے کمرے میں بلایا اور اس عجیب وغریب منظر کی وضاحت طلب کی۔ اس نے سنسنی خیز انکشاف کیا۔

"ملک صاحب! ادھر کنگنی والا کے باہر کھیتوں میں ایک متروک کنواں ہے جو بیری والے کھوہ کے نام سے موسوم ہے۔ وہاں بہت سے لوگ جمع ہیں۔" وہ ایک ہی سانس میں بولتا چلا گیا "لگتا ہے' اس کنوئیں میں کوئی گڑبڑ ہے۔"

"کیسی گڑبڑ؟" میں سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔

کانسٹیبل نے بتایا "دو چار دن سے اس کنوئیں کے اوپر چیل کوے منڈلا رہے ہیں لیکن آج تو حد ہی ہوگئی۔ مردار خور گدھوں نے صبح ہی صبح متروک کنوئیں پر دھاوا بول دیا ہے۔ وقفے وقفے سے کنوئیں کے اندر ان کی آمدورفت جاری ہے۔ گاؤں کے بہت سے لوگ وہاں جمع ہیں اور صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کررہے ہیں۔"

کانسٹیبل کی فراہم کردہ سنسنی خیز معلومات سے ظاہر ہوتا تھا کہ مذکورہ کنوئیں کے اندر مردار خور پرندوں کی اچھی خاصی خوراک موجود تھی۔ اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ میں نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے کانسٹیبل سے پوچھا "تمہارے دوسرے دونوں سادہ لباس ساتھی کہاں ہیں؟"

"وہ بیری والے کھوہ پر ہی ہیں جناب۔"
میں اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا اور کنگنی والا جانے کی تیاری کرنے لگا۔
تھوڑی دیر بعد میں چند مسلح سپاہیوں کے ساتھ مذکورہ متروک کنوئیں پر موجود تھا۔
لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے مردار خور پرندے کنوئیں سے ہٹ گئے تھے۔ ان کی اچھی خاصی تعداد مجھے آس پاس کے درختوں پر نظر آگئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد چوہدری فرزند علی بھی وہاں آن موجود ہوا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ میرے پاس آگیا۔ علیک سلیک کے بعد اس نے پوچھا۔
"ملک صاحب! یہ کیا چکر ہے؟"
"چکر کا پتا بھی چلا لیتے ہیں چوہدری صاحب!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "آپ حوصلہ رکھیں۔ ابھی اس راز سے بھی پردہ اٹھ جائے گا۔"
اس کے بعد میں نے وہاں موجود افراد کو کنوئیں کے پاس سے دور چلے جانے کو کہا۔ وہ میری ہدایت کے مطابق وہاں سے ہٹنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں، چوہدری فرزند علی اور مسلح سپاہی وہاں رہ گئے۔ درختوں پر موجود پرندے بے چین دکھائی دیتے تھے اور اضطراری انداز میں اپنے پروں کو پھڑپھڑانے لگتے تھے۔ میں نے چوہدری کا ہاتھ پکڑتے ہوئے، اسے مخاطب کیا۔
"چوہدری صاحب! آپ بھی ادھر آجائیں۔"
"آپ کیا کرنا چاہتے ہیں ملک صاحب؟" وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔
میں نے کہا "میں اپنے ایک اندازے کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔"
"کیسا اندازہ؟"
"یہ آپ کو ابھی پتا چل جائے گا۔"
ہم کنوئیں سے خاصے فاصلے پر آکر ایک گھنے درخت کی اوٹ میں کھڑے ہو گئے۔ چند لمحات خاموشی سے گزر گئے پھر درختوں پر موجود گدھوں نے اپنی پناہ گاہوں سے پرواز کی اور متروک کنوئیں کی ٹوٹی پھوٹی منڈیر پر آکر ڈیرا جمانے لگے۔ اس کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے کنوئیں کے اندر داخل ہونا شروع کر دیا۔
میں نے چوہدری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "چوہدری صاحب! آپ کے خیال میں کنوئیں کے اندر کیا ہو سکتا ہے؟"
اس کے چہرے پر حیرانی پھیلی ہوئی تھی، کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں گویا ہوا "میرا خیال ہے، اس کھوہ کے اندر کوئی مردار جانور موجود ہے۔"
"میرا بھی یہی اندازہ ہے۔" میں نے کہا "لیکن میرا خیال آپ کے خیال سے تھوڑا مختلف ہے۔"
چوہدری نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا "میں نے اس کی نظر کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا "آئیں، کنوئیں پر چل کر دیکھتے ہیں۔"
اس کے ساتھ اپنے ہمراہ آنے والے سپاہیوں کو میں نے ہدایت کی کہ وہ ان بھوکے گدھوں کو کنوئیں کے پاس سے ہٹائیں۔
وہ تیز قدموں سے چلتے ہوئے ہم سے پہلے کنوئیں پر پہنچے اور اپنی بندوقوں کی مدد سے گدھوں کو وہاں سے بھگانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں میدان صاف ہو چکا تھا۔ مردار خور پرندے واپس اپنی عارضی قیام گاہوں پر جا چکے تھے۔
میں نے ایک سپاہی کو بھیج کر تھانے سے دو ماہر ترین کوہ پیما کانسٹیبلوں کو بلا لیا، اس کے بعد میں نے چوہدری سے کہا "مجھے چند مضبوط رسوں کی ضرورت ہے۔ کیا آپ کے گاؤں سے ایسے رسوں کا بندوبست ہو سکتا ہے؟"
وہ الجھن آمیز انداز میں بولا "رسے تو ہر طرح کے مل جائیں گے جناب، پر آپ کا ارادہ کیا ہے؟"
میں نے کہا "آپ کو میرے ارادے کا بھی پتا چل جائے گا۔ پہلے رسے تو منگوائیں۔"
"اچھا جی۔" چوہدری نے دزدیدہ نظر سے مجھے دیکھا اور دور کھڑے ہوئے گاؤں کی افراد کے پاس جا کر انہیں کچھ ہدایت دینے لگا "میں نے دیکھا، اسی وقت دو نوجوان گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔
چوہدری واپس میرے پاس آگیا اور مجھ سے بولا "میرا خیال ہے، آپ کسی کو کنوئیں کے اندر اتارنا چاہتے ہیں۔"
"آپ کو کوئی اعتراض ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں نگاہ گاڑ کر پوچھا۔
وہ جلدی سے بولا "مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے جناب۔ آپ قانون کے محافظ ہیں۔ میں آپ کی تفتیش کے راستے میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔"
"آپ کا اندازہ درست ہے چوہدری صاحب!" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا "میں نے تھانے سے جن دو سپاہیوں کو بلوایا ہے، وہ پہاڑوں پر چڑھنے کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ وہ آپ کی منگوائی مضبوط رسیوں کے ذریعے اس پراسرار کنوئیں میں اتریں گے۔" میں نے متروک کنوئیں کی جانب انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس کے بعد ہی کوئی عقدہ حل ہو سکے گا۔"
چوہدری کی حالت دیکھتے ہوئے مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ۔۔۔ اس کنوئیں کے حوالے سے جو کچھ میں سوچ رہا تھا، وہی ڈر اسے بھی محسوس ہو رہا تھا۔
ایک بات کو میں نے ابھی تک فراموش نہیں کیا تھا اور وہ یہ کہ صفیہ اور امیر علی کے سلسلے میں چوہدری فرزند علی اور عالیہ بیگم نے مجھ سے کافی جھوٹ بولے تھے۔ مثال کے طور پر انہوں نے امیر علی اور صفیہ کے بیچ پائے جانے والے عشقیہ معاملات کو یک طرفہ قرار دیا تھا جب کہ صفیہ جن حالات میں اور جس طرح غائب

ہوئی تھی' وہ آثار و واقعات ان کے بیان کی نفی کرتے تھے۔ میں ابھی تک یہ عقدہ حل نہیں کرپایا تھا کہ انہیں جھوٹ بولنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی!

عام طور پر انسان جب کسی حقیقت کو چھپانے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیتا ہے تو اس کے پیش نظر تین مقاصد ہوتے ہیں۔ ایک وقت میں ایک یا ایک سے زیادہ مقاصد بھی اس کا مطلوب ہوسکتے ہیں۔ انسان یا تو کوئی بہت بڑا فائدہ حاصل کرنے کے لیے جھوٹ بولتا ہے یا وہ کسی بڑے نقصان سے خود کو بچانا چاہتا ہے۔ جھوٹ بولنے کا تیسرا مقصد شان و شوکت کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

چوہدری اور عالیہ بیگم کو اپنی شان و شوکت کے اظہار کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ یا تو وہ کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہتے تھے یا پھر کسی نقصان سے بچنا چاہتے تھے۔ چوہدری اور عالیہ بیگم سے متعلق مشہور افواہوں سے بھی میں بہ خوبی آگاہ تھا۔

میں خیالات کے تانے بانے ملا رہا تھا کہ چوہدری کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی "ملک صاحب! امیر علی کے بارے میں آپ کی تفتیش کہاں تک پہنچی؟"

"تفتیش جاری ہے چوہدری صاحب!" میں نے کنوئیں کی جانب دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

چوہدری کی آنکھوں میں ایک سایہ سا لہرایا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال چمکا' میں نے پوچھا "چوہدری صاحب! آپ کو اس وقت امیر علی کیسے یاد آگیا؟"

"بس یونہی۔" وہ نظر چراتے ہوئے بولا "عالیہ بیگم اپنی بیٹی کی جدائی میں چارپائی سے لگ گئی ہے۔"

میں نے کہا "چوہدری صاحب! میری اب تک کی تفتیش کے مطابق امیر علی اور صفیہ اس ضلع سے باہر نہیں گئے۔" ایک لمبے کے توقف سے میں نے اضافہ کیا "اور آس پاس کے سارے پنڈ بھی ہم نے چھان مارے ہیں۔"

"سمجھ میں نہیں آتا' انہیں زمین کھا گئی ہے یا آسمان نگل گیا!" چوہدری نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے مزاح کے رنگ میں کہا "چوہدری صاحب! یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ واقعی انہیں زمین کھا گئی ہو.... یا آسمان نگل گیا ہو!"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ملک صاحب؟"

میں نے کہا "وہ دونوں جیتے جاگتے انسان تھے۔ ہم نے جتنی باریک بینی سے انہیں تلاش کیا ہے' اگر وہ کہیں ہوتے تو ضرور مل جاتے۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ....."

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ کر چوہدری کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ جلدی سے بولا "کہیں آپ کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ دونوں اب اس دنیا میں نہیں رہے؟"

"یہ ناممکن تو نہیں چوہدری صاحب!" میں بہ دستور اس کی

ایک تقریب میں ایک آدمی کو گوشت کی دیگ پر بٹھایا گیا۔ وہ اپنے واقف کاروں کو تو بوٹیاں دے رہا تھا لیکن دوسرے مہمانوں کو صرف آلوؤں اور شوربے پر ٹرخا رہا تھا۔ جب مہمانوں کو کوئی بھی بوٹی نہ ملی تو ایک آدمی اس کے پاس گیا اور سالن کے لیے کہا۔ اس نے اسے پھر آلو اور شوربہ بھر دیا۔ وہ مہمان بھنا کر بولا "کیا آپ کے پاس ہڈی والا کوئی آلو نہیں ہے۔"

اقبال عسکری' سعودی عرب

آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

وہ سراسیمہ لہجے میں بولا "میرا دل کہتا ہے' وہ زندہ ہوں گے ورنہ کہیں نہ کہیں سے ان کی لاشیں تو مل جاتیں۔"

میں نے کہا "چوہدری صاحب! ان کی لاشیں تو ہمیں اس وقت ملتیں جب انہیں یونہی کہیں پھینک دیا جاتا۔ ممکن ہے' آپ کے خیال کے مطابق واقعی ان لاشوں کو زمین کھا گئی ہو!"

چوہدری کوئی جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ گاؤں کی طرف جانے والے نوجوان رسے لے کر وہاں پہنچ گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے میرے مطلوبہ سپاہی بھی تھانے سے آگئے تھے۔ ہماری گفتگو کا سلسلہ ادھورا رہ گیا اور میں ان سپاہیوں کی جانب متوجہ ہوگیا۔

میری ہدایت کے مطابق ایک طویل مضبوط رسے کو ایک نزدیکی درخت کے توانا تنے سے باندھ دیا گیا۔ رسے کے دوسرے سرے کو کنوئیں میں پھینکا گیا پھر میرے اشارے پر ایک ماہر کوہ پیما پولیس والا اس رسے کی مدد سے کنوئیں میں اترنے لگا۔ میں نے اسے پوری صورت حال سے آگاہ کردیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ جوان کنوئیں سے برآمد ہوا اور بولا "ملک صاحب! رسا کنوئیں کی تہ تک نہیں پہنچ پا رہا۔ یا تو رسے کی لمبائی کو بڑھایا جائے یا پھر کسی ٹارچ وغیرہ کا بندوبست کیا جائے کیونکہ کنوئیں کی تہ میں گھپ اندھیرا ہے۔"

فوری طور پر اس کی فرمائش پوری کردی گئی۔ چوہدری نے میرے کہنے پر اپنی حویلی سے جرمن میڈ ٹارچ منگوالی۔ اس دوران میں مذکورہ رسے سے ایک اور رسا منسلک کرکے اس کی لمبائی کو دگنا کردیا گیا۔

پولیس کا ماہر جوان ایک مرتبہ پھر کنوئیں کے اندر غروب ہوگیا۔ باہر موجود تمام افراد سانس روکے کھڑے تھے۔ پانچ منٹ کے بعد پولیس کے جوان نے باہر آکر رونگٹے کھڑے کردینے والی خبر سنائی۔

"ملک صاحب! کنوئیں کی تہ میں دو انسانی لاشیں موجود ہیں۔" اس نے رک رک کر واضح الفاظ میں بتایا "ان میں ایک لاش کسی لڑکی کی ہے۔ دوسرا داڑھی والا کوئی جوان ہے۔ دونوں کے سر خون آلود اور جسم نچے ہوئے ہیں اور دونوں آپس میں اس طرح لپٹے ہوئے ہیں جیسے انہیں خدشہ ہو کہ مرنے کے بعد بھی کوئی انہیں جدا کردے گا۔"

میں نے سوالیہ نظر سے چوہدری فرزند کی طرف دیکھا۔ وہ بولا "ملک صاحب! کہیں وہ دونوں ....."

"میرا بھی یہی اندازہ ہے چوہدری صاحب!" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ ممکن ہے 'انہیں زمین کھا گئی ہو۔"

اس دل دوز سنسنی خیز انکشاف کے ٹھیک ایک گھنٹے بعد ان دونوں کی لاشوں کو متروک کنوئیں سے باہر نکالا جاچکا تھا۔ اس دوران میں عالیہ بیگم بھی وہاں پہنچ گئی تھی۔ کسی نے اسے اس بازیافت کی اطلاع پہنچادی تھی۔

بیٹی کی اجڑی بچڑی لاش کو دیکھ کر عالیہ بیگم کا ضبط جواب دے گیا اور وہ دھاڑیں مار کر رونے لگی۔ چوہدری فرزند علی اسے سنبھالنے کی کوشش کررہا تھا۔ عالیہ بیگم نے آتے ہی صفیہ کی لاش کو پہچان لیا تھا۔ امیر علی کی لاش کی بھی تصدیق ہوچکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد میں نے سب کو لاشوں سے دور ہٹادیا اور ان کا معائنہ کرنے لگا۔ امیر علی کے سر پر کسی تیز دھار آلے کے زخم بڑے واضح نظر آرہے تھے۔ وہ زخم کسی کلہاڑی یا گنڈاسے یا ٹوکے وغیرہ کے ہوسکتے تھے۔ صفیہ کے چہرے' سر اور کندھوں پر بھی ایسے ہی کاری زخم نظر آرہے تھے۔ ان دونوں کے بازو اور ہاتھ بھی کٹے پھٹے تھے۔ یوں دکھائی دیتا جیسے انہوں نے حملہ آور کے وار روکنے کی پوری کوشش کی ہو لیکن ان کی ایک نہ چلی ہو۔ سر پر لگنے والے زخم بہت گہرے تھے اور کئی جگہ سے کھوپڑیوں کی ہڈیاں صاف کٹی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

میں نے الٹ پلٹ کر باریک بینی سے دونوں لاشوں کا معائنہ کیا۔ ان کے ہاتھ' چہرے اور سروں پر جمے ہوئے خون کو دیکھ کر بہ خوبی اندازہ ہوتا تھا کہ ان کی موت واقع ہوئے کافی دن گزر چکے تھے۔ مردار خور پرندوں نے ان کے مردہ اجسام پر جو طبع آزمائی کی تھی' وہ بھی واضح طور پر دکھائی دے رہی تھی۔ موسم سرما کی وجہ سے ان کی لاشوں کی حالت زیادہ خراب نہیں ہوئی تھی اور شاید اسی لیے گدھ وغیرہ خاصی تاخیر سے ان تک پہنچے تھے۔ اگر موسم گرم ہوتا تو ممکن تھا' بہت جلد فضا تعفن سے بس جاتی اور کئی روز پہلے اس راز سے پردہ اٹھ چکا ہوتا۔

میں نے ضروری کارروائی مکمل کرنے کے بعد دونوں کی لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے ضلعی اسپتال بھجوایا اور خود چوہدری کے اصرار پر اس کی حویلی میں آگیا۔ عالیہ بیگم پچھاڑیں کھاتے کھاتے بے ہوش ہوچکی تھی۔ ہم سے پہلے اسے حویلی میں پہنچادیا گیا تھا اور اس وقت ایک ڈاکٹر اس کا معائنہ کررہا تھا۔ ڈاکٹر نے صدمے کے اثر کو زائل کرنے کے لیے عالیہ بیگم کو ایک سکون آور ٹیکا لگایا اور تسلی تشفی دے کر واپس چلا گیا۔

ہم حویلی کی وسیع و عریض بیٹھک میں آکر بیٹھے تو چوہدری فرزند علی نے مردہ لہجے میں کہا "ملک صاحب! یہ تو معاملہ ہی دوسرا نکل آیا۔"

"ابھی تو آگے دیکھیں چوہدری صاحب!" میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا "کون کون سا نیا معاملہ سامنے آتا ہے۔"

وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دھیمے لہجے میں کہا "چوہدری صاحب! یہ موقع تو ایسا نہیں ہے لیکن پھر بھی آپ سے ایک ذاتی قسم کا سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔"

چوہدری نے چونک کر میری طرف دیکھا اور بوجھل انداز میں بولا "کس قسم کا ذاتی سوال ملک صاحب؟"

اس وقت بیٹھک میں میرے اور چوہدری کے سوا اور کوئی بھی نہیں تھا پھر بھی میں نے سرگوشیانہ انداز میں کہا "میں نے آپ کے اور عالیہ بیگم کے بارے میں کچھ باتیں سنی ہیں۔"

"اوہ!" وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا "کیسی باتیں جناب؟"

میں نے کہا "مجھے پتا چلا ہے' آپ عالیہ بیگم سے شادی کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"آپ کو یہ بات کس نے بتائی ہے؟"

"اس بات کو آپ چھوڑیں۔ میری بات کا جواب دیں۔"

وہ ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے بولا "آپ نے جو کچھ سنا ہے وہ کسی افواہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔"

"اور حقیقت کیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"حقیقت یہ ہے ملک صاحب!" وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا "کہ عالیہ بیگم میرے مرحوم دوست کی بیوہ ہے۔ اس کا خیال رکھنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اس کے علاوہ ہمارے درمیان کچھ نہیں ہے اور جہاں تک لوگوں کے کہنے کا تعلق ہے تو کسی کی زبان کہاں تک پکڑی جاسکتی ہے۔ لوگ تو بادشاہوں کو بھی پیٹھ پیچھے گالیاں دیتے ہیں۔"

"بجا فرمایا آپ نے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "مگر آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا چوہدری صاحب کہ رائی ہو تو پربت بنتا ہے۔"

"جو حقیقت تھی' وہ میں نے آپ کو بتادی ہے۔"

"یعنی میں یقین کرلوں کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں؟"

"آپ کو شبہ کیوں ہے؟" وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا۔

میں نے کہا "چوہدری صاحب! معذرت کے ساتھ یہ ضرور کہوں گا کہ آپ نے اور عالیہ بیگم نے بہت سے حقائق مجھ سے چھپانے کی کوشش کی ہے۔"

"کیسے حقائق؟"

"امیر علی اور صفیہ کے تعلقات کے سلسلے میں حقائق۔"

چوہدری بولا "ملک صاحب! آپ کھل کر بات کریں تو اچھا ہے۔"

"چلیں، کھل کر بات کرلیتے ہیں۔" میں نے کہا پھر پوچھا "آپ نے اس حقیقت کا انکار کیوں کیا کہ امیر علی اور صفیہ ایک دوسرے کو چاہتے تھے؟"

"وہ یک طرفہ محبت تھی۔" چوہدری جلدی سے بولا "صفیہ امیر علی کو پسند نہیں کرتی تھی۔"

"جب کہ حالات وواقعات اس بات کی تصدیق کررہے ہیں کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "آپ ان دونوں کی لاشوں کو دیکھ چکے ہیں۔ کیا اب بھی آپ میرے خیال کی تردید کریں گے؟"

"میں اس وقت کسی تصدیق یا تردید کی الجھن میں نہیں پڑنا چاہتا ملک صاحب!" چوہدری نے بے بسی سے کہا "اس واقعے نے مجھے اعصابی طور پر بہت بری طرح متاثر کیا ہے۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" میں نے تائیدی لہجے میں کہا "آپ کی حالت سے اس بات کا بہ خوبی اندازہ ہورہا ہے۔ ویسے عالیہ بیگم کی حالت خاصی تشویش ناک ہے۔"

وہ ایک دم چونک گیا پھر بولا "ملک صاحب! آپ نے ایک بات نوٹ کی؟"

"کون سی بات؟"

وہ بولا "عالیہ بیگم اس وقت میری حویلی میں موجود ہے۔ اس حویلی میں جہاں میری تین عدد بیویاں پہلے رورہی ہیں۔ آپ عورتوں کی نفسیات اور فطرت سے آگاہ ہوں گے۔ اگر عالیہ بیگم سے میرے کسی بھی قسم کے مراسم ہوتے جو بعد ازاں شادی پر منتج ہوسکتے ہوں تو میری بیویاں اسے ایک لمحے کے لیے بھی اس حویلی میں برداشت کرسکتی تھیں؟"

اس کی بات میں وزن تھا۔ میں نے کہا "چوہدری صاحب! میں نے ایک بات کی تصدیق کے لیے آپ سے نجی قسم کا سوال کیا تھا۔ اگر آپ کو میرے الفاظ سے تکلیف پہنچی ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔"

وہ معتدل لہجے میں بولا "کوئی بات نہیں، آپ تو اپنا فرض پورا کررہے ہیں۔"

میں نے کہا چوہدری صاحب! مجھے پتا چلا تھا کہ جس روز امیر علی اور صفیہ لاپتا ہوئے تھے اس سے دو دن قبل یعنی جمعہ تیرہ ممبر کی رات کو آپ عالیہ بیگم کے گھر پر موجود تھے؟"

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا "مجھے یاد پڑتا ہے، میں وہاں موجود تھا۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ رات کے کھانے پر مدعو تھے۔" میں نے کہا "اور عالیہ بیگم نے اس رات امیر علی کو بھی اپنے گھر بلایا تھا!"

وہ جلدی سے بولا "بالکل بلایا تھا جناب لیکن میں ابھی تک سمجھ نہیں سکا کہ آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ عالیہ بیگم نے اس رات آپ کی موجودگی میں امیر علی کو اپنے گھر کیوں بلایا تھا؟"

"وہ چاہتی تھی کہ میں بھی اسے سمجھاؤں۔"

"کس سلسلے میں؟"

"یہی کہ وہ صفیہ کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔"

میں نے پوچھا "پھر آپ نے امیر علی کو سمجھادیا تھا؟"

"کوشش تو میں نے کی تھی۔" چوہدری نے بتایا "لیکن اس کے چہرے کے تاثرات سے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ میری کوشش رائگاں گئی تھی۔"

میں نے کہا "مجھے پتا چلا تھا کہ اس رات وہاں کچھ تلخی بھی ہوگئی تھی۔ عالیہ بیگم نے کچھ ایسی باتیں کی تھیں جن سے امیر علی کی تذلیل کا پہلو نکلتا تھا۔"

"میرے خیال میں ایسی تو کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔" چوہدری پہلو بدلتے ہوئے بولا "آپ کو کسی نے غلط انفارمیشن دی ہے۔"

"ہوسکتا ہے، آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں۔" میں نے تائیدی انداز میں سرہلاتے ہوئے کہا "لیکن مجھے یہی بتایا گیا تھا کہ اس رات عالیہ بیگم نے خاص طور پر امیر علی کو اپنے گھر اس لیے بلایا تھا کہ وہ آپ کے سامنے اس کی بے عزتی کرسکے بلکہ اس نے کھل کر اپنے عزائم کا اظہار بھی کیا تھا!"

"میں ایک بار پھر یہی کہوں گا کہ آپ کو مس گائیڈ کیا گیا ہے۔" چوہدری نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "اب اس کی حالت خاصی حد تک سنبھل چکی تھی اور لب ولہجے میں اعتماد لوٹ آیا تھا۔ وہ بولا "میرے خیال میں آپ کو یہ سب کچھ بابا بشیرا کی گھروالی مختار بی بی نے بتایا ہوگا۔ وہ عالیہ بیگم سے بہت بیر کھاتی ہے۔ خاص طور پر جب سے عالیہ بیگم نے صفیہ کے رشتے سے انکار کیا تھا۔"

میں نے کہا "اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مجھے یہ معلومات کس نے فراہم کی ہیں۔ آپ نے ان باتوں کی تردید کردی ہے۔ میں آپ کے جوابات کو یاد رکھوں گا۔"

"میں نے آپ کو سب کچھ ٹھیک ٹھیک بتادیا ملک صاحب۔"

وہ بولا "آگے آپ کی مرضی ہے، یقین کریں یا نہ کریں۔"

میں نے کہا "ہم دوسروں کی کہی ہوئی باتوں کو تفتیش کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجاتا ہے۔"

"آپ اپنی تفتیش جاری رکھیں ملک صاحب۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا "امیر علی اور صفیہ کی روپوشی کا معاملہ تو حل ہوگیا۔ اب آپ کو ان کے قاتل یا قاتلوں کی تلاش ہے۔ یہ دہرے قتل کی واردات ہے جناب۔"

میں نے کہا "اور یہ واردات آپ کے گاؤں میں ہوئی ہے۔ اس لیے میں اپنی تفتیش کا آغاز آپ ہی سے کروں گا۔"

"میں ہمہ تن گوش ہوں۔"

میں نے پوچھا "چوہدری صاحب! آپ کے خیال میں یہ "کارنامہ" کس شخص یا اشخاص نے انجام دیا ہوگا؟"

"میں اس بارے میں خیال آرائی کرنے سے معذور ہوں۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا "میرے حساب سے اس گاؤں میں ان کا کوئی دشمن نہیں تھا۔"

"آپ کا مطلب ہے، قاتل یا قاتلوں کا تعلق کسی دوسرے گاؤں سے ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظر گاڑتے ہوئے سوال کیا۔

وہ میرے سوال سے سٹپٹا گیا، جلدی سے بولا "میرا یہ مطلب نہیں جناب۔"

"دیکھیں ناجی۔" وہ بات بناتے ہوئے بولا "جہاں انسان کے سو دوست ہوتے ہیں، وہاں ایک آدھ دشمن بھی ہوتا ہے۔ میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ ان دونوں کا ایسا کوئی دشمن یہاں موجود نہیں جو ان کے خون میں ہاتھ رنگنے کو تیار ہو جائے۔"

میں نے کہا "چوہدری صاحب! اب اس بات میں تو کوئی شبہ نہیں رہا کہ ان دونوں بدقسمتوں کے خون میں کسی نے اپنے ہاتھ رنگ لیے ہیں۔ یہ واردات اسی گاؤں میں ہوئی ہے لہٰذا زیادہ امکان اسی بات کا ہے کہ قاتل یا قاتلوں کا تعلق اسی گاؤں سے ہوگا۔ آپ اس سلسلے میں کوئی روشنی ڈال سکتے ہیں؟"

وہ تذبذب میں نظر آنے لگا۔ میں نے پوچھا "آپ کو کسی پر شک ہے چوہدری صاحب۔"

وہ نفی میں سر ہلانے لگا "میری نظر میں ایسا کوئی مشکوک بندہ نہیں ہے ملک صاحب۔"

"ہو سکتا ہے، عالیہ بیگم اس بارے میں کچھ جانتی ہو۔" میں نے خیال ظاہر کیا "میں ان کا بیان بھی لینا چاہتا ہوں۔ ذرا معلوم تو کریں، ان کی طبیعت اب کیسی ہے!"

چوہدری اٹھ کر تھوڑی دیر کے لیے حویلی کے اندرونی حصے میں گیا اور آکر بتایا کہ وہ خواب آور ٹیکے کے زیر اثر سو رہی ہے اور کسی قسم کا بیان دینے کی حالت میں نہیں ہے۔

میں نے چوہدری سے کہا "چلیں، ان کا بیان کل ہو جائے گا۔ آپ کل ان کو لے کر تھانے میں آجائیں۔"

چوہدری نے مجھے ایسا کرنے کا یقین دلایا۔ چلتے چلتے اس نے مجھے آس پاس کے گاؤں کے چند جرائم پیشہ افراد کے نام بھی نوٹ کروا دیے اور کہا "آپ ذرا ان بندوں کو بھی چیک کریں۔"

میں دل میں چوہدری کی حماقت پر ہنس پڑا لیکن میں نے اس پر ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میں نے اس کی چال کو سمجھ لیا ہے۔ واضح طور پر اس نے مجھے بھٹکانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے عمل سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ نہیں چاہتا میں کنگنی والا کو اپنی تفتیش کا مرکز بناؤں ورنہ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ اس کے گاؤں میں کسی مشکوک فرد کا وجود ہی نہ پایا جاتا ہو۔ ہر گاؤں میں لوفر، اوباش، لفنگے اور جرائم پیشہ افراد پائے جاتے ہیں لیکن چوہدری کو اپنے گاؤں میں ایسے افراد نظر نہیں آئے تھے اور اس نے مجھے اردگرد کے گاؤں میں پائے جانے والے مشکوک افراد کو چیک کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

"بہت بہت شکریہ چوہدری صاحب!" میں نے یہی ظاہر کیا جیسے میں پہلی فرصت میں اس کے مشورے پر عمل کروں گا پھر میں جانے کے لیے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کہا "اگر آپ کے علم میں کوئی غیر معمولی بات آئے تو فوری طور پر مجھے مطلع کریں۔"

"آپ فکر ہی نہ کریں ملک صاحب۔" وہ جلدی سے بولا "قانون کی مدد کر کے مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ میں چاہتا ہوں، آپ صفیہ کے قاتل یا قاتلوں کو جلد از جلد کیفرِ کردار تک پہنچا دیں۔"

"اور امیر علی کے قاتل یا قاتلوں کو؟"

یہ سوال میں نے اس لیے کیا تھا کہ اس نے صرف صفیہ کے قاتل یا قاتلوں کا ذکر کیا تھا۔ وہ میرے اس سوال پر کچھ گڑبڑا گیا اور وضاحت آمیز لہجے میں بولا "میرا مطلب تھا، دونوں کے قاتل یا قاتلوں کو آپ فوری طور پر گرفتار کر کے جیل میں پہنچا دیں۔"

"خدا آپ کی زبان مبارک کرے چوہدری صاحب۔" میں نے ذو معنی الفاظ میں کہا اور حویلی سے باہر نکل آیا۔

تھانے پہنچنے سے پہلے میں یہ اٹل فیصلہ کر چکا تھا کہ اپنی تفتیش کا مرکز و محور میں کنگنی والا ہی کو بناؤں گا لیکن نہایت خفیہ انداز میں۔ چوہدری کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دوں گا۔ چوہدری فرزند علی کو بے خبر رکھ کر ہی کوئی کام کی بات معلوم کی جا سکتی تھی۔ میں چوہدری کی طرف سے خاصا مشکوک ہو چکا تھا۔

تھانے میں آکر میں نے سب سے پہلے ان سادہ لباس پولیس اہل کاروں کو اپنے کمرے میں بلا لیا جن کی ڈیوٹی میں نے کنگنی والا کی نگرانی پر لگائی ہوئی تھی۔ امیر علی اور صفیہ کی لاشوں کی برآمدگی کے بعد میں انہیں واپس تھانے بھیج دیا تھا۔ انہیں دوبارہ کنگنی والا روانہ کرنے سے پہلے میں نے نئی صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ اب ان میں سے ایک کو کنگنی والا کے اندرونی معاملات کو دیکھنا تھا اور باقی دو کو صرف اور صرف چوہدری کی حویلی پر نظر رکھنا تھی۔ خاص طور پر چوہدری فرزند علی اور عالیہ بیگم کی کڑی نگرانی کرنا تھی۔

دوسری صبح میں نے ایک کانسٹیبل کو موضع سمبڑیال روانہ کر دیا تاکہ وہ امیر علی کے ورثا کو اس المناک سانحے کی اطلاع دے سکے۔ اس کے بعد تازہ ترین صورت حال کی رپورٹ تیار کرنے لگا۔ رپورٹ تیار کرنے کے بعد میں نے ایس پی علاقہ اور ڈپٹی کمشنر کو بھجوا دی۔ اس رپورٹ میں، میں نے اپنی اب تک کی کارکردگی کو بالتفصیل بیان کیا تھا۔

اسی دوپہر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی آگئی۔ پوسٹ مارٹم کی

ابتدائی رپورٹ کے مطابق مقتول امیر علی اور مقتولہ صفیہ کی موت اتوار پندرہ دسمبر کی صبح پانچ اور چھ بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ موت کا سبب وہ کاری ضربات تھیں جو کسی تیز دھار آلے کی مدد سے ان کے سروں پر لگائی گئی تھیں۔ میڈیکل ایگزامنر کے مطابق مقتولین کے جسموں پر پائے جانے والے زخموں کے نشانات کا تعلق کسی تیز دھار کلہاڑی یا گنڈاسے وغیرہ سے تھا۔ قاتل نے بڑی بے دردی سے ان کے سروں کو نشانہ بنایا تھا۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں ایک ایسی بات درج تھی جس نے مجھے چونکنے پر مجبور کردیا اور وہ بات یہ تھی کہ امیر علی اور صفیہ کے جسموں پر پائے جانے والے تمام خطرناک زخموں کا تعلق ایک ہی ہتھیار سے تھا یعنی ان پر ایک ہی آلۂ قتل سے شدید وار کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ اس سے ایک بات تو واضح ہوگئی کہ ان دونوں کا قاتل کوئی ایک ہی شخص تھا۔

میرا ذہن بڑی تیز رفتاری سے کام کررہا تھا اور واقعات کی کڑیاں خود بہ خود مل رہی تھیں۔ عالیہ بیگم کے گھر چوہدری فرزند علی کا آنا جانا تھا اور یہ بات پورا گاؤں جانتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کوئی شخص عالیہ بیگم یا صفیہ سے دشمنی مول لینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اب یہ بات سمجھ میں آتی تھی کہ قاتل جو کوئی بھی تھا وہ یا تو اتنا طاقت ور تھا کہ چوہدری کی مخالفت مول لینے کا حوصلہ رکھتا تھا یا پھر اسے کسی طاقت ور شخص کی پشت پناہی حاصل تھی۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ یہ کسی دل جلے عاشق کا کارنامہ ہوسکتا ہے۔ کوئی ایسا نامراد عاشق ناشاد جو صفیہ کو چاہتا ہو اور امیر علی کو اپنا رقیب روسیا سمجھتا ہو مگر پھر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اس نے امیر علی کے ساتھ صفیہ کو کیوں ٹھکانے لگادیا۔

ایک بات یقینی تھی کہ صفیہ، امیر علی کے ساتھ اپنی مرضی سے گئی تھی۔ زیادہ امکان اس بات کا تھا کہ وہ طے شدہ پروگرام کے تحت فرار ہورہے تھے کہ قسمت نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ اپنے کسی بدخواہ کے ظلم کا شکار ہوگئے تھے۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ کوئی ایسا شخص جو ان کی تاک میں رہتا ہو، اسے کسی طرح ان کے پروگرام کا پتا چل گیا ہو اور اس نے موقع دیکھ کر کلیجا ٹھنڈا کرلیا ہو۔

میرا ذہن جس تیزی سے واقعات کی کڑیاں ملا رہا تھا اس سے مجھے امید تھی کہ بہت جلد میں امیر علی اور صفیہ کے قاتل تک پہنچ جاؤں گا۔

اگلے روز چوہدری فرزند علی، عالیہ بیگم کو تھانے لے آیا۔ میں نے عالیہ بیگم کا تفصیلی بیان دوبارہ نوٹ کیا لیکن کوئی کام کی بات معلوم نہ ہوسکی۔ یوں لگتا تھا جیسے چوہدری اسے پڑھا کرلایا ہو۔ دونوں کے بیانات میں کوئی تضاد نہیں تھا۔

چوہدری کے رخصت ہونے کے آدھا گھنٹے بعد مقتول امیر علی کا چھوٹا بھائی کبیر علی اپنی ماں برکت بی بی کے ساتھ دل گرفتہ حالت میں تھانے پہنچ گیا۔ برکت بی بی اپنے جواں سال بیٹے کی لاش حاصل کرنے آئی تھی۔ اس کی آہ وزاری دیکھ کر میرا دل خون ہوگیا۔ میں نے خصوصی دلچسپی لے کر امیر علی کی لاش کو جلد از جلد سمبڑیال بھجوانے کے انتظامات کردیے۔ اس سے زیادہ میں اس ستم نصیب عورت کے لیے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

مجھے اپنی بے بسی کا اندازہ تھا۔ میں اپنی بھرپور صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر بھی امیر علی کو دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا تھا۔ ہاں، یہ ضرور تھا کہ میں نے اپنے دل میں امیر علی کے قاتل کو عبرت ناک سزا دلوانے کا پختہ عزم کرلیا تھا۔

○☆○

اگلے روز میں تھانے پہنچا تو ایک نہایت ہی اہم اطلاع میری منتظر تھی۔ میں نے جن ہوشیار قسم کے پولیس اہل کاروں کو چوہدری کی کڑی نگرانی کی ذمے داری سونپی تھی، ان میں سے ایک میرا انتظار کررہا تھا۔ میں نے فوری طور پر اسے اپنے کمرے میں بلالیا۔ اس سادہ لباس اہل کار کا نام ممتاز خان تھا۔

میں نے پوچھا "ممتاز خان، تم خاصے بے چین دکھائی دے رہے ہو۔ کیا کوئی خاص بات ہے؟"

"بات کے خاص یا عام ہونے کا فیصلہ تو آپ ہی کریں گے جناب۔" وہ اضطراری لہجے میں بولا "میں نے جو غیر معمولی بات نوٹ کی ہے، وہ آپ کو بتانے آیا ہوں۔"

"وہ غیر معمولی بات کون سی ہے؟"

وہ بولا "چوہدری فرزند علی گزشتہ دو روز سے خفیہ طور پر جیرے موچی کو ڈھونڈ رہا ہے اور جیرا موچی پنڈ سے غائب ہے۔"

"اور یہ اطلاع تم دو روز بعد مجھ تک پہنچا رہے ہو؟" میں نے اسے کڑے تیوروں سے گھورا۔

اس نے لجاجت آمیز انداز میں کہا "ملک صاحب! میں نے عرض کیا نا، چوہدری فرزند علی یہ کام نہایت خاموشی سے خفیہ طور پر کررہا تھا۔ مجھے آج صبح ہی اس کی خبر ہوئی ہے۔"

"ہوں۔" میں نے قدرے نرم لہجے میں کہا پھر پوچھا "یہ جیرا موچی کون ہے بھئی؟"

کانسٹیبل نے جواب دیا "جناب، جیرا، کنگنی والا کا ہی رہنے والا ہے۔ اس کے بوڑھے باپ وزیر حسین موچی کی ادھر پنڈ میں ہی جوتے مرمت کی دکان ہے۔"

"تم جیرے موچی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"ایک نمبر کا لوفر اور لفنگا ہے جناب۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا "کیا وہ بھی اپنے باپ کے ساتھ اس کی دکان میں کام کرتا ہے؟"

"نہیں جناب۔" کانسٹیبل نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا "اسے تو آوارہ گردی اور بدمعاشی ہی سے فرصت نہیں ہے، کام کیا

کرے گا۔"

میں سوچ میں پڑگیا۔ چوہدری فرزند علی کو ایک ایسے شخص کی تلاش کیوں تھی جو اوباش، آوارہ اور غنڈا تھا پھر خاص بات یہ کہ چوہدری نہایت رازدارانہ انداز میں اسے ڈھونڈ رہا تھا!

میں نے سادہ لباس کانسٹیبل سے پوچھا "ممتاز خان، تم نے بتایا ہے کہ جیرا موچی کنگنی والا سے غائب ہے۔ کیا تم نے اس بات کی تصدیق کرلی ہے؟"

"جی ہاں، میں نے چنگی طراں پتا کرلیا ہے۔"

"جیرا موچی کب سے نظر نہیں آرہا؟"

اس نے بتایا "جب سے امیر علی اور صفیہ کی لاشیں بیری والے کھوہ سے برآمد ہوئی ہیں۔"

میں نے پوچھا "وہ تین چار روز سے غائب ہے لیکن اس کے گھر والوں کو تو اس کے بارے میں کوئی تشویش نہیں ہوئی۔ یہ عجیب سی بات نہیں ہے؟"

"اس کے گھر والوں کے لیے یہ عجیب بات نہیں ہے ملک صاحب۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

ممتاز خان نے کہا "وہ پہلے بھی اکثر کئی کئی دنوں کے لیے گھر سے غیر حاضر رہتا ہے۔ اس کے گھر والے اس کی عادت سے واقف ہیں۔"

"لیکن جیرے کی غیر حاضری سے چوہدری کے پیٹ میں کیوں مروڑ اٹھ رہا ہے۔" میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا "اور وہ کم بخت بھی اسی دن سے کیوں غائب ہے جب سے متروک کنوئیں سے دو لاشیں نکالی گئی ہیں؟"

کانسٹیبل ممتاز خان نے خیال آرائی کی "ملک صاحب! مجھے تو لگتا ہے جیرے موچی کا اس معاملے سے کوئی گہرا تعلق ہے۔"

میں بھی اسی انداز میں سوچ رہا تھا لیکن میں نے اپنی سوچ کو سادہ لباس کانسٹیبل ممتاز خان پر عیاں نہیں ہونے دیا اور کہا "ٹھیک ہے، تم فوری طور پر واپس کنگنی والا جاؤ اور چوہدری کی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھو۔"

"جو حکم ملک صاحب!" وہ مجھے سیلوٹ کرکے جانے لگا۔

وہ دروازے پر پہنچا تو میں نے پیچھے سے آواز دے کر اسے مخاطب کیا۔ وہ رکا اور مڑ کر مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا "تم سب سے پہلے جاکر اپنے دوسرے دونوں ساتھیوں سے ملاقات کرو اور انہیں تاکید کردو کہ وہ بھی خفیہ طور پر جیرے موچی کا سراغ لگانے کی کوشش کریں۔ اگر جیرے کے بارے میں کوئی اہم اطلاع ملے تو فوری طور پر مجھے مطلع کیا جائے۔ اگر ممکن ہو تو اسے فوری طور پر گرفتار کرکے تھانے لے آئیں۔"

"میں سمجھ گیا جناب۔" وہ پراعتماد انداز میں سرہلاتے ہوئے بولا "آپ فکر ہی نہ کریں۔"

اس کے جانے کے بعد میں نے اے ایس آئی منظور الٰہی کو اپنے کمرے میں بلالیا۔ وہ میرے پاس آیا تو میں نے اسے ساری صورت حال سمجھانے کے بعد کہا "منظور الٰہی، تمہیں جتنے سپاہیوں کی ضرورت ہو، انہیں منتخب کرکے ایک چھاپا مار ٹیم تشکیل دو اور نہایت ہی رازدارانہ انداز میں آس پاس کے علاقوں میں جیرے موچی کو تلاش کرنے کی کوشش کرو اور جیسے ہی اس کا کوئی سراغ ملے، اسے گرفتار کرکے یہاں لے آؤ۔"

اس نے تسلی آمیز لہجے میں مجھے یقین دلایا "ملک صاحب! آپ بے فکر ہوجائیں۔ میں یہ کام اس طرح کروں گا جیسے مکھن میں سے بال نکالا جاتا ہے۔"

"شاباش!" میں نے کھلے دل سے اس کی تعریف کی "اور اس بات کا خیال رکھنا کہ تمہیں چوہدری فرزند علی سے پہلے جیرے موچی پر ہاتھ ڈالنا ہے۔ ہماری کامیابی اس بات سے مشروط ہے کہ جیرا، چوہدری کے ہتھے نہ چڑھنے پائے۔"

وہ پرعزم لہجے میں بولا "میں اپنی سی کوشش کروں گا جناب آگے جو مولا کو منظور ہو۔"

"تم منظور الٰہی ہو۔" میں نے اس کے فراخ سینے پر نگاہ نکاتے ہوئے کہا "مولا کو جو منظور ہوگا، وہ ہمارے حق میں بہتر ہی ہوگا۔"

وہ زیرلب مسکرایا اور میرے کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں نے اسی روز بطور احتیاط، پیش بندی کرتے ہوئے پولیس کے مخبروں کو بھی ریڈ الرٹ کردیا۔ آئندہ دو روز تک حالات غیر یقینی رہے۔ تیسرے روز ایک اہم اطلاع مجھ تک پہنچی۔ وہ اطلاع جیرے موچی کے بارے میں تھی۔ اطلاع دینے والا پولیس کا پرانا مخبر تھا۔ اس کا نام نبی بخش تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی بہت مفید معلومات مجھ تک پہنچاتا رہا تھا۔ اتفاق سے وہ میرا پرانا واقف کار بھی تھا۔ نبی بخش نے مجھے بتایا کہ جیرا موچی ایمن آباد کے چوہدری دلدار حسین کے ڈیرے پر پایا گیا تھا۔

میں نے اسی روز دوپہر کے بعد ایک ہوشیار قسم کے صحت مند حوالدار کو ساتھ لیا اور واہنڈو جانے والی بس میں سوار ہوکر ایمن آباد پہنچ گیا۔ اس بس میں سفر کرنے کا فائدہ یہ تھا کہ یہ ایمن آباد کے اندر سے گزرتی تھی۔

جب ہم چوہدری دلدار حسین کے ڈیرے پر پہنچے تو سہ پہر کے تین بج رہے تھے۔ وہ ڈیرا گاؤں سے ذرا ہٹ کر واقع تھا۔ ڈیرے کے چاروں جانب ہرے بھرے کھیتوں کا سلسلہ بہت دور تک پھیلا ہوا تھا۔

وہ ڈیرا تین نیم پختہ کمروں پر مشتمل تھا۔ ان کے ساتھ ہی ایک باڑا بنا ہوا تھا جہاں پانچ بھینسیں اور دوسرے مویشی بندھے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں ٹوکا (جانوروں کا چارا کاٹنے کی مشین) نصب تھا اور اس کے ساتھ ہی کٹے ہوئے چارے کا ڈھیر نظر آرہا تھا۔ باڑے سے باہر بائیں جانب کچھ فاصلے پر خشک بھوسے کے تین

ڈھیر نظر آرہے تھے جن کی اونچائی دس بارہ فٹ سے کم نہیں تھی۔ ان ڈھیروں کے اوپر مٹی کی تہ چڑھادی گئی تھی تاکہ موسم کی دست برد سے محفوظ رہ سکیں۔

ڈیرے میں ہماری ملاقات ایک عمر رسیدہ شخص سے ہوئی۔ وہ ہماری وردیوں کو دیکھتے ہی سہم گیا۔ یہ تو اسے دیکھتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ جیرا موچی نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑاتے ہوئے سوال کیا "جیرا کہاں ہے چاچا؟"

"آپ جیرے سے ملنے آئے ہیں!" اس نے الٹا سوال کردیا "یہاں تو کوئی جیرا نہیں رہتا۔"

حوالدار نے اسے کالر سے پکڑلیا اور سخت لہجے میں کہا "چاچا! ہم پوری تسلی کرکے یہاں آئے ہیں۔ سیدھی طرح بتاتے ہو یا ——"

میں نے اسی وقت چونک کر ڈیرے کے کمروں والے حصے کی طرف دیکھا۔ وہاں مجھے غیر معمولی نقل وحرکت دکھائی دی تھی۔ میں نے حوالدار کو اس جانب متوجہ کیا اور خود بھی دوڑتے ہوئے ادھر بڑھا۔

ہم نے بروقت حرکت کی تھی۔ اگر ہمیں تھوڑی تاخیر ہوجاتی تو یقینی طور پر وہ شخص ہمارے ہاتھوں سے نکل جاتا جسے میں نے ایک کھڑکی سے نکل کر کمروں کی عقبی جانب جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ حوالدار مجھ سے پہلے اس پر جھپٹ پڑا۔ اس وقت وہ شخص ڈیرے کی دیوار پھلانگنے کی کوشش کررہا تھا۔ حوالدار نے اس کی ٹانگوں کے بیچ میں ہاتھ ڈال کر اسے دیوار پر سے کھینچ لیا اور بڑے ماہرانہ انداز میں اسے زمین پر پٹخ دیا۔

وہ جیرا موچی تھا۔ حوالدار نے اس کی صورت دیکھتے ہی اسے پہچان لیا تھا۔ یقینی بات تھی کہ اس نے ہمیں عمر رسیدہ شخص کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔

جیرا موچی خاصا جی دار ثابت ہورہا تھا۔ اس نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی اور حوالدار کو دھکا دیتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے پر پہنچنے سے پہلے ہی حوالدار نے اسے دوبارہ گھیر لیا۔ میں نے یہ صورتِ حال دیکھی تو آگے بڑھ کر ڈیرے کا دروازہ بند کردیا۔

جیرے موچی نے حوالدار کی طرف دیکھتے ہوئے ایک بڑک ماری پھر دھمکی آمیز لہجے میں کہا "اوئے حوالدار! ہٹ جا میرے راستے سے۔"

اپنی بات ختم کرتے ہی اس نے حوالدار کو جھانسا دے کر اس کے گھیرے سے نکلنے کی کوشش کی۔ اس کی حرکات وسکنات سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کبڈی کا اچھا کھلاڑی تھا۔ میں نے ایک ہاتھ جیرے موچی کی گردن پر رسید کرتے ہوئے خوں خوار لہجے میں کہا "اوئے سؤر کی اولاد! قانون کو تڑی دیتا ہے۔ میں ابھی تمہاری ساری بدمعاشی ناک کے راستے نکالتا ہوں۔"

اس کے بعد میں نے جیرے موچی کو لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا۔ اس نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی تو میں نے اسے بری طرح دھنک کر رکھ دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ہانپنے لگا۔ اس کی ناک پھٹ گئی تھی اور چہرے پر خون نظر آرہا تھا۔ اسی دوران میں حوالدار نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔ ہماری اس مارا ماری سے موقع پاکر وہ عمر رسیدہ شخص رفوچکر ہوچکا تھا۔ ہم نے اسے ڈیرے کے اندر اور باہر تلاش کیا مگر وہ کہیں نظر نہیں آیا۔

جیرے موچی کی ساری تن فن غائب ہوچکی تھی۔ ہم اسے گرفتار کرکے چوہدری دلدار حسین کی حویلی میں لے آئے۔ میں نے علیحدگی میں چوہدری کو پوری صورت حال سے آگاہ کیا پھر ہم جیرے کو اپنے ساتھ لے کر بذریعہ بس تھانے پہنچ گئے۔

میں نے دو خوف ناک صورت والے کانسٹیبلوں کو اپنے کمرے میں بلایا اور جیرے موچی کو ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا "اسے ذرا تھانے کے ادب آداب سکھاؤ۔ میں اس سے بعد میں بات کروں گا۔"

وہ جلاد صورت کانسٹیبل جیرے موچی کو لے کر "ٹرائل روم" کی طرف چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہاں سے جیرے کے چیخنے چلانے اور بلبلانے کی آوازیں آنے لگیں۔ اسی دوران میں، میں نے اچھی طرح سوچ کر یہ طے کرلیا تھا کہ جیرے موچی کو کس صورت گھسنا ہے۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد جیرا موچی میرے کمرے میں موجود تھا۔ دونوں کانسٹیبلوں نے بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے تھام رکھا تھا۔ میں نے مذکورہ کانسٹیبلوں کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا اور جیرے کی جانب متوجہ ہوگیا۔ حوالدار بھی اس وقت میرے کمرے میں موجود تھا۔

میں نے جیرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں پھر سلگتے ہوئے لہجے میں سوال کیا "کچھ ہوش ٹھکانے آئے یا کوئی کسر باقی ہے؟"

وہ مسکین صورت بنا کر بولا "مائی باپ، میرا قصور تو بتادیں۔"

حوالدار نے اس کی کمر پر ایک زوردار لات رسید کرتے ہوئے کہا "اوئے کھوتی دے کھر، جب ادھر چوہدری دلدار حسین کے ڈیرے پر بڑکیں مار رہے تھے اس وقت تمہیں یہ مائی باپ یاد نہیں آئے تھے؟"

"مجھ سے بھول ہوگئی سرکار۔" وہ گھگیایا "اب میں ایسی حرکت کبھی نہیں کروں گا۔"

"ہم تمہیں اس کا موقع دیں گے تو تم کوئی حرکت کروگے نا۔" حوالدار نے اس کی پنڈلی پر ایک ٹھڈا رسید کرتے ہوئے کہا۔

وہ بلبلا اٹھا اور رحم طلب نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے سخت لہجے میں کہا "تم کنگنی والا سے فرار ہوکر ایمن آباد کیوں گئے

ڈھیر نظر آرہے تھے جن کی اونچائی دس بارہ فٹ سے کم نہیں تھی۔ ان ڈھیروں کے اوپر مٹی کی تہ چڑھادی گئی تھی تاکہ موسم کی دست برد سے محفوظ رہ سکیں۔

ڈیرے میں ہماری ملاقات ایک عمر رسیدہ شخص سے ہوئی۔ وہ ہماری وردیوں کو دیکھتے ہی سہم گیا۔ یہ تو اسے دیکھتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ جیرا موچی نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑاتے ہوئے سوال کیا "جیرا کہاں ہے چاچا؟"

"آپ جیرے سے ملنے آئے ہیں!" اس نے الٹا سوال کردیا "یہاں تو کوئی جیرا نہیں رہتا۔"

حوالدار نے اسے کالر سے پکڑلیا اور سخت لہجے میں کہا "چاچا! ہم پوری تسلی کرکے یہاں آئے ہیں۔ سیدھی طرح بتاتے ہو یا "

میں نے اسی وقت چونک کر ڈیرے کے کمروں والے حصے کی طرف دیکھا۔ وہاں مجھے غیر معمولی نقل وحرکت دکھائی دی تھی۔ میں نے حوالدار کو اس جانب متوجہ کیا اور خود بھی دوڑتے ہوئے ادھر بڑھا۔

ہم نے بروقت حرکت کی تھی۔ اگر ہمیں تھوڑی تاخیر ہوجاتی تو یقینی طور پر وہ شخص ہمارے ہاتھوں سے نکل جاتا جسے میں نے ایک کھڑکی سے نکل کر کمروں کی عقبی جانب جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ حوالدار مجھ سے پہلے اس پر جھپٹ پڑا۔ اس وقت وہ شخص ڈیرے کی دیوار پھلانگنے کی کوشش کررہا تھا۔ حوالدار نے اس کی ٹانگوں کے بیچ میں ہاتھ ڈال کر اسے دیوار پر سے کھینچ لیا اور بڑے ماہرانہ انداز میں اسے زمین پر پٹخ دیا۔

وہ جیرا موچی تھا۔ حوالدار نے اس کی صورت دیکھتے ہی اسے پہچان لیا تھا۔ یقینی بات تھی کہ اس نے ہمیں عمر رسیدہ شخص کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔

جیرا موچی خاصا جی دار ثابت ہورہا تھا۔ اس نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی اور حوالدار کو دھکا دیتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے پر پہنچنے سے پہلے ہی حوالدار نے اسے دوبارہ گھیرلیا۔ میں نے یہ صورتِ حال دیکھی تو آگے بڑھ کر ڈیرے کا دروازہ بند کردیا۔

جیرے موچی نے حوالدار کی طرف دیکھتے ہوئے ایک بڑک ماری پھر دھمکی آمیز لہجے میں کہا "اوئے حوالدار! ہٹ جا میرے راستے سے۔"

اپنی بات ختم کرتے ہی اس نے حوالدار کو جھانسا دے کر اس کے گھیرے سے نکلنے کی کوشش کی۔ اس کی حرکات وسکنات سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کبڈی کا اچھا کھلاڑی تھا۔ میں نے ایک ہاتھ جیرے موچی کی گردن پر رسید کرتے ہوئے خوں خوار لہجے میں کہا "کھوتے سؤر کی اولاد! قانون کو تڑی دیتا ہے۔ میں ابھی تمہاری ساری بدمعاشی ناک کے راستے نکالتا ہوں۔"

اس کے بعد میں نے جیرے موچی کو لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا۔ اس نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی تو میں نے اسے بری طرح دھنک کر رکھ دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ہانپنے لگا۔ اس کی ناک پھٹ گئی تھی اور چہرے پر خون نظر آرہا تھا۔ اسی دوران میں حوالدار نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔ ہماری اس مارا ماری سے موقع پاکر وہ عمر رسیدہ شخص رفوچکر ہوچکا تھا۔ ہم نے اسے ڈیرے کے اندر اور باہر تلاش کیا مگر وہ کہیں نظر نہیں آیا۔

جیرے موچی کی ساری تن فن غائب ہوچکی تھی۔ ہم اسے گرفتار کرکے چوہدری دلدار حسین کی حویلی میں لے آئے۔ میں نے علیحدگی میں چوہدری کو پوری صورت حال سے آگاہ کیا پھر ہم جیرے کو اپنے ساتھ لے کر بذریعہ بس تھانے پہنچ گئے۔

میں نے دو خوف ناک صورت والے کانسٹیبلوں کو اپنے کمرے میں بلایا اور جیرے موچی کو ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا "اسے ذرا تھانے کے ادب آداب سکھاؤ۔ میں اس سے بعد میں بات کروں گا۔"

وہ جلاد صورت کانسٹیبل جیرے موچی کو لے کر "ٹرائل روم" کی طرف چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہاں سے جیرے کے چیخنے چلانے اور بلبلانے کی آوازیں آنے لگیں۔ اسی دوران میں، میں نے اچھی طرح سوچ کر یہ طے کرلیا تھا کہ جیرے موچی کو کس صورت گھسنا ہے۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد جیرا موچی میرے کمرے میں موجود تھا۔ دونوں کانسٹیبلوں نے بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے تھام رکھا تھا۔ میں نے مذکورہ کانسٹیبلوں کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا اور جیرے کی جانب متوجہ ہوگیا۔ حوالدار بھی اس وقت میرے کمرے میں موجود تھا۔

میں نے جیرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں پھر سلگتے ہوئے لہجے میں سوال کیا "کچھ ہوش ٹھکانے آئے یا کوئی کسر باقی ہے؟"

وہ مسکین صورت بنا کر بولا "مائی باپ، میرا قصور تو بتادیں۔"

حوالدار نے اس کی کمر پر ایک زوردار لات رسید کرتے ہوئے کہا "اوئے کھوتی دے کھر، جب ادھر چوہدری دلدار حسین کے ڈیرے پر بڑکیں مار رہے تھے اس وقت تمہیں یہ مائی باپ یاد نہیں آئے تھے؟"

"مجھ سے بھول ہوگئی سرکار۔" وہ گھگیایا "اب میں ایسی حرکت کبھی نہیں کروں گا۔"

"ہم تمہیں اس کا موقع دیں گے تو تم کوئی حرکت کرو گے نا۔" حوالدار نے اس کی پنڈلی پر ایک ٹھڈا رسید کرتے ہوئے کہا۔

وہ بلبلا اٹھا اور رحم طلب نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے سخت لہجے میں کہا "تم کنگنی والا سے فرار ہوکر ایمن آباد کیوں گئے

تھے؟"

"وہ تو میں محنت مزدوری کرنے گیا تھا سرکار۔

میں نے کہا "اس کا مطلب ہے' ابھی کافی کسر باقی ہے؟"

"ملک صاحب! یہ شرافت کی زبان نہیں سمجھے گا۔" حوالدار نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا "آپ ایک رات کے لیے اسے میرے حوالے کردیں۔ صبح تک بالکل رواں ہو جائے گا۔"

میں نے جیرے موچی کو حوالدار کے حوالے کرتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے۔ یہ ایک رات کے لیے تمہارا ہوا۔ میں صبح اس سے پوچھ گچھ کروں گا۔ اسے اچھی طرح سمجھا دو کہ ہم انسان کی کھال کو ادھیڑ کر کس طرح اس کے جوتے بناتے ہیں۔"

"آپ بالکل بے فکر ہو جائیں ملک صاحب۔" حوالدار کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا "میں اسے یہ بھی بتادوں گا کہ ان جوتوں سے ہم اس جیسے کن ٹٹے بدمعاش کا سر کس طرح پولا کرتے ہیں۔"

میں رات والے عملے کو ضروری ہدایت دے کر اپنے کوارٹر میں آگیا۔ اس ہدایت میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ کسی بھی قیمت پر چوہدری فرزند علی کو جیرے موچی کی گرفتاری کی بھنک نہیں ملنی چاہیے۔ یہ بات تو طے شدہ تھی کہ امیر علی اور صفیہ والے اس واقعے سے جیرے موچی کا کوئی گہرا تعلق تھا۔ اس معاملے میں چوہدری فرزند علی کس حد تک ملوث تھا' اس کا اندازہ جیرے سے پوچھ گچھ کے بعد ہی ہو سکتا تھا۔ چوہدری فرزند علی نے مجھ سے بہت سی باتیں چھپائی تھیں۔ میں بھی اسے بے خبری ہی میں گھیرنا چاہتا تھا۔

○☆○

جیرا موچی سر جھکائے میرے سامنے کھڑا تھا۔

گزشتہ رات کی "خاطر تواضع" اسے بڑی "راس" آئی تھی۔ اس کے سارے کس بل نکل چکے تھے اور تھوڑی دیر پہلے اس نے مجھے حقیقتِ حال سے آگاہ کردیا تھا۔ میرے ایک گھنٹے کی پوچھ گچھ کے جواب میں جیرے نے جو تفصیلات بیان کیں اسے اس کا اقبالِ جرم بھی کہا جا سکتا تھا۔ میں اس کے بیان کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

جیرے موچی نے امیر علی اور صفیہ کے قتل کا اقرار کرتے ہوئے بتایا تھا کہ صفیہ شروع ہی سے اسے بہت اچھی لگتی تھی۔ ایک دو مرتبہ اس نے صفیہ کا راستہ روکنے کی بھی کوشش کی لیکن صفیہ نے اسے بری طرح جھاڑ دیا تھا۔ نہ صرف یہ کہ جیرے کی اچھی خاصی بے عزتی کی تھی بلکہ اسے دھمکی بھی دی تھی کہ آئندہ اگر اس نے بھی صفیہ کو میلی نگاہ سے دیکھا تو وہ چوہدری سے اس کی شکایت کرکے اس کی چمڑی ادھڑوا دے گی۔ جیرا یہ خوب جانتا تھا کہ چوہدری فرزند علی' صفیہ کے باپ کا دوست تھا اور ان کے گھر میں اس کا آنا جانا بھی تھا۔ جیرا چوہدری سے دشمنی مول نہیں لے سکتا تھا اس لیے خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ چوہدری کی جگہ اگر کوئی اور شخص ہوتا تو جیرا اس کی پروا نہ کرتا۔ چوہدری مختلف قسم کے چھوٹے بڑے جرائم میں جیرے کا پشت پناہ بھی تھا اس لیے صفیہ کے معاملے میں جیرے کے پاس صبر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

امیر علی کی آمد نے جیرے کے جذبۂ رقابت کو ہوا دی۔ جب جیرے کو پتا چلا کہ صفیہ' امیر علی سے محبت کی پینگیں بڑھا رہی ہے تو اس کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے۔ وہ دل ہی دل میں امیر علی کو اس جسارت پر "مزہ چکھانے" کا منصوبہ ترتیب دینے لگا۔ صفیہ پر تو اس کا کوئی بس نہیں چل سکتا تھا۔ اس نے سوچا' امیر علی کو وہ ضرور عبرت نگاہ بنادے گا۔

وہ اپنے منصوبے پر عمل کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ ایک روز چوہدری نے اس کی مشکل آسان کردی۔ چوہدری' جیرے سے چھوٹے بڑے الٹے سیدھے کام لیتا رہتا تھا۔ چوہدری نے اسے نہایت رازداری سے حکم دیا کہ کوئی مناسب موقع دیکھ کر امیر علی کو ٹھکانے لگادے۔ جیرے کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ چوہدری نے امیر علی کو ٹھکانے لگانے کے احکامات چودہ دسمبر' ہفتے کی صبح کو جاری کیے تھے۔ جیرا تو پہلے ہی موقع کی تلاش میں تھا' چوہدری نے اس کے دل کی بات کہہ کر اس کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔ وہ امیر علی کی کڑی نگرانی کرنے لگا۔

دوسرے ہی روز علی الصباح اسے یہ نادر موقع مل گیا۔ اس روز اتوار تھا اور دسمبر کی پندرہ تاریخ۔ جیرے نے امیر علی اور صفیہ کو نہایت ہی پراسرار انداز میں گاؤں سے نکل کر کھیتوں کی جانب جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ ان کا رخ جی ٹی روڈ کی جانب تھا۔ ان کی چال ڈھال اور رفتار سے جیرے کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کس ارادے سے گاؤں سے نکلے تھے۔ اسے صدفی صد یقین تھا کہ امیر علی' صفیہ کو بھگا لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ جیرے نے ان کا تعاقب کیا اور بیری والے کھوہ کے نزدیک انہیں جالیا۔ وہ دونوں جیرے کی آمد سے بے خبر آگے بڑھ رہے تھے۔

اچانک جیرے کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نادیدہ قوت نے اسے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا ہو۔ شاید وہ جذبۂ رقابت تھا جس نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود کردی تھیں۔ چوہدری نے امیر علی کو ٹھکانے لگانے کا حکم دیا تھا لیکن جیرا اس وقت ہوش وحواس سے بے گانہ ہو چکا تھا۔ اس نے اسی جذبہ جنوں رنگ سے مغلوب ہو کر ان دونوں پر گنڈاسے کے بے دریغ وار کرنا شروع کردیے۔

جب اسے ذرا ہوش آیا تو وہ دو انسانی جانوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ اب اسے اس فکر نے ستایا کہ صفیہ کی بابت چوہدری کو کیا جواب دے گا۔ اس کے شیطانی ذہن میں فوری طور پر ایک منصوبہ تیار ہو گیا۔ اس نے امیر علی اور صفیہ کی لاشوں کو متروک کنوئیں میں پھینک دیا۔ بعد ازاں اس نے کنوئیں کے آس

س اپنے کارنامے کے آثار کو ختم کیا اور خاموشی سے گھر آگیا۔

اسی روز دوپہر کے وقت چوہدری نے اسے حویلی میں بلایا اور امیر علی اور صفیہ کے بارے میں استفسار کیا۔ جیرے نے اپنے منصوبے کے مطابق کمالِ جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لاعلمی کا اظہار کیا۔ چوہدری تھوڑی دیر تک اس سے مختلف سوالات کرتا رہا لیکن وہ اپنی بات پر ڈٹا رہا کہ وہ امیر علی اور صفیہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ ناچار چوہدری اس نتیجے پر پہنچا کہ صفیہ، امیر علی کے ساتھ فرار ہوگئی تھی۔ اس کے بعد چوہدری اتوار کا پورا دن عالیہ کی ہم راہی میں مختلف جگہوں پر صفیہ کو تلاش کرتا رہا، پھر ناکام ہو کر دوسرے روز سولہ دسمبر کو صفیہ کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوانے میرے پاس تھانے پہنچا تھا۔

اس واقعے کے بعد ایک ماہ خیریت سے گزر گیا پھر جب متروک کنوئیں سے امیر علی اور صفیہ کی تعفن زدہ لاشیں برآمد ہوئیں تو جیرے موچی کو اپنی موت واضح نظر آنے لگی۔ ایک طرف تو اسے چوہدری کا خوف تھا اور دوسری جانب قانون کا بھی ڈر تھا۔ اس لیے گاؤں سے فرار ہوجانے ہی میں اپنی عافیت جانی اور سیدھا ایمن آباد پہنچ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ فی الوقت چوہدری دلدار حسین سے زیادہ محفوظ پناہ گاہ اسے اور کہیں میسر نہیں آسکتی تھی۔

اسی دوران میں ایک کانسٹیبل نے مجھے اطلاع دی کہ چوہدری فرزند علی تھانے میں داخل ہوچکا تھا۔ میں نے بے ساختہ کہا "لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔"

اس کے بعد میں نے جیرے موچی کو دوبارہ حوالدار کے حوالے کیا کہ وہ اسے حوالات میں بند کردے پھر ہیڈ کانسٹیبل ریاض احمد کو ضروری ہدایت دینے کے بعد میں اپنے کمرے میں آگیا۔

چوہدری آج اکیلا ہی آیا تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس نے کہا "ملک صاحب! میں نے سنا ہے، آپ نے میرے ایک خاص بندے کو پکڑ کر حوالات میں بند کردیا ہے؟"

"کس بندے کا ذکر کررہے ہیں چوہدری صاحب؟" میں نے خشک لہجے میں پوچھا "ہم تو بندے پکڑتے ہی رہتے ہیں۔"

وہ بولا "جیرا موچی ملک صاحب۔"

"اچھا!" میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا "جیرا موچی آپ کا بندہ ہے چوہدری صاحب۔"

میرے رویے نے اسے پریشان کردیا۔ ویسے وہ پہلے ہی کچھ کم پریشان نہیں تھا۔ اس نے جواب دیا "جی بالکل، میں اسی کی بات کررہا ہوں جناب۔"

میں نے کہا "چوہدری صاحب! میرا تو خیال تھا، جیرا موچی اللہ کا بندہ ہے۔ اب آپ عجیب بات بتا رہے ہیں کہ وہ آپ کا بندہ ہے۔"

وہ گڑبڑا گیا، جلدی سے بولا "وہ جناب، بندے تو سب اللہ ہی کے ہیں۔" ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے پوچھا "آپ نے جیرے کو کس سلسلے میں گرفتار کیا ہے؟"

اسی وقت ہیڈ کانسٹیبل ریاض احمد کمرے میں داخل ہوا اور خاموشی سے ایک جانب کھڑا ہوگیا۔ میں نے چوہدری کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا "کوئی خاص سلسلہ نہیں ہے چوہدری صاحب۔ آپ جیرے کے لیے اتنے پریشان کیوں دکھائی دے رہے ہیں؟"

"میں اسے کافی دن سے تلاش کررہا ہوں۔" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا لیکن فوری طور پر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا، سنبھل کر بولا "میں جیرے سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ایک چھوڑ دس باتیں کریں چوہدری صاحب!" میں نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "اس تھانے کو اپنا ہی سمجھیں۔"

میرے انداز نے اس کی پریشانی کو بڑھادیا۔ اس کے چہرے پر تشویش کے سائے لہرانے لگے۔ میں نے ہیڈ کانسٹیبل کو اشارہ کیا "ریاض احمد! چوہدری صاحب کو عزت و احترام کے ساتھ حوالات میں پہنچادو۔"

ہیڈ کانسٹیبل نے بجلی کی سی تیزی سے حرکت کی اور دیکھتے ہی دیکھتے چوہدری کے ہاتھوں میں قانونی زیور پہنادیا۔ یہ سارا عمل پلک جھپکنے میں ہوا تھا۔ چوہدری حیرت آمیز خوف زدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا "ملک صاحب! یہ آپ کیا کررہے ہیں؟"

میں نے ہیڈ کانسٹیبل سے کہا "چوہدری کو الگ حوالات میں بند کرنا۔"

چوہدری میرے اس حکم کو سن کر سٹپٹا کر رہ گیا۔ اسے پہلی بار صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔ اس کے بعد تو اس کی جون ہی بدل گئی۔ وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولا "ملک صفدر حیات! میں کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں۔ یہ ہتھکڑی کھلوادو ورنہ بعد میں بہت پچھتاؤ گے۔"

میں نے کہا "چوہدری تمہارا کھیل ختم ہوچکا ہے۔ اب میرا کھیل شروع ہوگا۔ تمہاری اطلاع کے لیے بتادوں کہ جیرے موچی نے ہمیں سب کچھ تفصیل سے بتادیا ہے۔"

"جیرے کی تو میں ماں....." وہ فحش گوئی پر اتر آیا۔

میں نے کہا "چوہدری، یہ تھانہ ہے۔ ذرا ہوش سنبھال کر بات کرو۔ مجھے مزید کسی سختی پر مجبور نہ کرو۔"

وہ غصیلے لہجے میں بولا "ملک صفدر حیات! تم ابھی اس علاقے میں نئے آئے ہو اور آتے ہی تم نے بڑی غلط جگہ ہاتھ ڈال دیا ہے۔ اب بھی موقع ہے۔ یہ ہتھکڑی کھول دو، میں اسے تمہاری پہلی غلطی سمجھ کر معاف کردوں گا۔"

میں نے سخت لہجے میں کہا "چوہدری! میں ذرا دوسری قسم کا تھانے دار ہوں۔ تمہارا اندازہ بالکل غلط ہے۔ میں نے کسی غلط جگہ ہاتھ نہیں ڈالا۔ میں بہت سوچ سمجھ کر ہاتھ ڈالتا ہوں۔ یہ ہتھکڑی

اب اتنی آسانی سے نہیں کھلے گی۔ تم کارِ سرکار میں مزاحمت کے مرتکب ہوئے ہو۔ تم نے متعدد جھوٹ بول کر اپنے جرم کی پردہ پوشی کرنے کی کوشش کی ہے اور......"

وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی چیخ کر بولا "تمہیں میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے ملک صفدر حیات۔ میں تمہاری وردی بھی اتروا سکتا ہوں۔ میرے بہت اوپر تک تعلقات ہیں۔ میں ڈی سی سے تمہاری شکایت کروں گا۔"

میں نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا اور کہا "چوہدری، تم کتنے ہی طاقت ور ہو مگر قانون سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو سکتے اور یہ تعلقات کی دھمکیاں کسی اور کو دینا۔ میں ان گیدڑ بھبکیوں میں آنے والا نہیں ہوں۔ میں بلاوجہ کسی کو ہتھکڑی نہیں لگاتا ہوں اور ضرورت پڑنے پر ڈی سی کو ہتھکڑی پہناتے ہوئے بھی ذرا نہیں گھبراؤں گا۔"

وہ تھوڑی دیر تک مجھے مختلف طریقوں سے ڈرانے دھمکانے کی کوشش کرتا رہا لیکن میں نے اس کی کسی دھمکی کی پروا کیے بغیر اسے حوالات میں بند کردیا۔ شام تک پورے علاقے میں یہ خبر پھیل گئی کہ نئے تھانے دار نے چوہدری فرزند علی کو گرفتار کر کے حوالات میں ڈال دیا ہے۔

جیرے موچی کی نشان دہی پر میں نے وہ گنڈاسا بھی برآمد کرلیا جو واردات کے بعد اس نے ایک جگہ زمین کھود کر دبا دیا تھا۔ آلۂ قتل میرے قبضے میں آچکا تھا۔ جیرے نے دہرے قتل کا اقبال جرم کرلیا تھا اس لیے آلۂ قتل پر اس کی انگلیوں کے نشانات کی تصدیق کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ ویسے بھی اس زمانے میں فنگر پرنٹس اٹھانے کا رواج عام نہیں ہوا تھا اور عدالت بھی اس کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھی۔ اب چوہدری فرزند علی کے اقرارِ جرم یا انکار سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ جیرے موچی کا اقبالی بیان، چوہدری کے خلاف کسی بھی قسم کی کارروائی کے لیے کافی تھا۔ چوہدری نے جیرے موچی کو امیر علی کے قتل کی ذمے داری سونپی تھی۔ قانون کی نظر میں چوہدری اس جرم میں برابر کا شریک تھا۔

دوسرے دن سے چوہدری کے لیے بڑے بڑے لوگوں کی سفارشیں آنے لگیں لیکن میں نے کسی کی پروا نہیں کی۔ اس دوران میں، میں گاہے بہ گاہے ایس پی علاقہ اور ڈی سی کو اپنی کارکردگی کی رپورٹ بھیجتا رہا تھا لہٰذا میں مطمئن تھا۔ ایس پی علاقہ نے میری کارکردگی کو بڑے اچھے الفاظ میں سراہا تھا۔

اگلے روز میں نے چوہدری فرزند علی کو عدالت میں پیش کر کے اس کا ریمانڈ حاصل کرلیا۔ جیرا موچی چوں کہ اقبال جرم کر چکا تھا اس لیے اس کے ریمانڈ کی ضرورت نہیں تھی۔ ریمانڈ کی مدت کے دوران میں بعض اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز بااثر افراد اور خود چوہدری نے مجھے بھاری رقم بطور رشوت بہم پہنچانے کی پیش کش کی لیکن میرے پائے استقامت میں ذرا بھی لرزش پیدا نہ ہوئی۔ میں نے اپنی کارروائی مکمل کر کے چالان عدالت میں پیش کردیا۔ میں نے اپنا فرض پورا کردیا تھا۔ باقی کام عدالت کا تھا۔

اس تھانے میں کام کرنے کا مجھے زیادہ موقع نہ مل سکا۔ کچھ عرصے بعد میرا تبادلہ منڈی کا لیکی شرقی، تحصیل حافظ آباد کے ایک تھانے میں ہوگیا۔ عدالت نے چوہدری فرزند علی اور جیرے موچی کو کیا سزا سنائی تھی اس کا مجھے پتا نہ چل سکا۔

چلتے چلتے کچھ ذکر عالیہ بیگم کا بھی ہو جائے۔ چوہدری فرزند علی اور عالیہ کے تعلقات کے بارے میں جتنی نوعیت کی بھی افواہیں گردش کررہی تھیں، حقیقت اس کے بالکس تھی۔ چوہدری درحقیقت صفیہ کے لیے عالیہ بیگم کے گھر کے چکر کاٹتا تھا۔ وہ صفیہ کو اپنی چوتھی بیوی بنانا چاہتا تھا۔ عالیہ بیگم کو بھی اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن صفیہ کی امیر علی میں تیزی سے بڑھتی ہوئی دلچسپی اس کے لیے تشویش کا باعث بنی ہوئی تھی۔

تیرہ دسمبر بروز جمعہ جب عالیہ بیگم نے امیر علی کو گھر میں بلا کر اسے بری طرح چوہدری کے سامنے بے عزت کیا تو امیر علی کے جانے کے بعد چوہدری نے عالیہ بیگم کو یقین دلایا کہ وہ جلد از جلد امیر علی کا کوئی مناسب بندوبست کردے گا۔

چوہدری کے جانے کے بعد صفیہ نے ماں سے خوب لڑائی کی تھی۔ اسے امیر علی کی بے عزتی کا بڑا قلق تھا۔ اس رات عالیہ بیگم نے بھی بیٹی پر واضح کردیا تھا کہ اس کی شادی وہ چوہدری فرزند علی سے کرنا چاہتی تھی۔ اس نے صفیہ کو ہدایت کی تھی کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امیر علی کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔

صفیہ کے لیے امیر علی کو بھولنا ممکن نہیں تھا۔ واقعات و شواہد سے پتا چلتا تھا کہ صفیہ نے یقینی طور پر امیر علی کو ساری صورت حال سے آگاہ کردیا ہوگا۔ اس کے بعد ہی انہوں نے چپکے سے گاؤں چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہوگا لیکن بدقسمتی سے وہ ایک ناگہانی صورت حال سے دوچار ہو کر موت کو گلے لگا بیٹھے تھے۔

جواں سال بیٹی کی حسرت ناک موت اور اپنے ان داتا چوہدری فرزند علی کی گرفتاری نے عالیہ بیگم کی کمر توڑ دی تھی۔ اس صدمے نے اس کے دل و دماغ کو اس بری طرح متاثر کیا کہ وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی تھی۔ چوہدری کی تین بیویوں کو جب اس راز کا پتا چلا کہ عالیہ بیگم اپنی بیٹی چوہدری سے بیاہنے والی تھی تو ان کے دل سے نفرت سے بھر گئے تھے۔ چوہدری کی گرفتاری کے بعد عالیہ بیگم پر حویلی کے دروازے بند ہو گئے۔ وہ دیوانوں کی طرح پورا دن گاؤں کی گلیوں میں بھٹکتی رہتی تھی۔

جو والدین اپنی اولاد کی بھلائی اور خوشیوں کو پس پشت ڈال کر ان کے مستقبل کے بارے میں اپنی مرضی کے ظالمانہ اور غیر منصفانہ فیصلے کرتے ہیں، بالآخر ان کا یہی انجام ہوتا ہے۔

(تحریر: حسام بٹ)